

جاسوی دنیا نمبر 41

صوت کی چٹان

(مکمل تاریخ)

ایک سازش

ہائی سرکل نائب کلب میں حسب معمول کافی رونق تھی۔ یہ شہر کے اوپرے طبقے کے لوگوں کا نائب کلب تھا۔ لیکن کرامہ رپورٹ انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہر کے بارے اخباروں کے رپورٹوں کی وہاں تک رسائی تھی۔ انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ نائب کلب کا فیجیر اس سے اس درجہ خائن فرہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی مجرم شپ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دھکتی ریکیں تھیں جنہیں وہ اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔ مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جا پہنچتا۔

انور روزمرہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دکھائی دیتا فیجیر کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ وہ بھی کم از کم انور کے عادات و اطوار سے تو واقف ہی تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائب کلب کی تقریبات سے کوئی لچکی نہیں ہو سکتی۔ لہذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہاں میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پر پھول گئے اور وہ چپکے سے اس کمرے میں گھس گیا جہاں تا جائز طور پر نہایت اعلیٰ پیانا پر جوا ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کے منتظم کو ضروری ہدایات دیں اور پھر ہاں میں آگیا۔ انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھے چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔
”جاو..... جاؤ.....!“ انور ہاتھ ہلاکر بولا۔ ”ہم تھک کر یہاں آبیٹھے ہیں..... تم کافی مشغول ہو گے۔“

”پھر بھی! میرے لاکن کوئی خدمت..... بقول شاعر.....!“
لیکن انور نے اسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

”آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے،“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”آپ کی مرضی.....!“ میجر مسکرا کر نکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جھپٹنی ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

”تم کیوں آئے ہو یہاں؟“ رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

”بنس.....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”مجھے ناٹ کلبوں سے کوئی لمحپی نہیں۔“

”کس قسم کا بنس.....!“

”کان نہ کھاؤ.....!“ انور جھنگلا کر بولا۔ ”آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔“

”لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔“

”کیسی حرکت.....!“ انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

”دیکھووا“ مجھے اس طرح آنکھیں نکال کر نہ دیکھا کرو..... سمجھے۔ ”رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔“

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

”میں نے تھیہ کر لیا ہے کہ اب اپنے پیروں پر کڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔“

”بہت خوب..... لیکن کیوں؟“

”اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا..... اور یہ بہت بُری بات ہے.....“ انور نے نجیگی سے کہا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

”لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔“ اس نے پوچھا۔

”اس آدمی کو پچانتی ہو۔“ انور نے ایک یوڑھے اور خیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

، اپنی میز پر تھا بیٹھا ہوا شامیں کی چسکیاں لے رہا تھا۔

”شاید.....!“ رشیدہ سر ہلاکر بولی۔ ”یہ مشہور کروڑ پی سحدانی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انور نے سگریٹ سلاکتے ہوئے کہا۔ ”پچھلے سال میں نے اس کے لئے یہ کام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں ملی تھی۔“

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر مسکرا کر بولا۔ ”آخر برابر مجھ سے کوئی کام کیوں ہیں لیتا۔“

”انہماںی احتجاج سوال ہے؟“ رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ اس قسم کی ضرورتیں پیش آتی رہیں۔“

”آنی پڑیں گی۔“ انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ”اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر نہیں لے گا تو کیا پھر میں فاتتے کروں گا؟“
”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھوڑ رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ بآہوں اسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم ملی تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔“
”مجھے یاد ہے.....“ رشیدہ نے کہا۔ ”لیکن تم کرو گے کیا؟“

”درمیان میں بولومت..... سختی جاؤ..... صہماںی بڑا ذرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم قھوڑی کی منت کریں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔“

”بلیک میلنگ.....!“ رشیدہ نے بُر اسامنہ بنا کر کہا۔
”ہرگز نہیں..... میں شریف آدمی ہوں۔ بُس اسے تھوڑا اسا خائف کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ سیدھا میرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔“

”آخ رس طرح.....!“

”بہت آسانی سے.....“ انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلاکر بولا۔
اُسے کوئی خوفناک چیزہ دکھایا جائے۔“

”تو پھر تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہوئی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرو۔“

”یعنی میں خود اپنے ہھکڑیاں لگاؤں۔“ انور برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کیا تمہیں اس بیاندار رنگ روٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سیسینہ رنگوں کو دواؤں کی بلیک مار کیٹنگ کرنے پکڑا تھا۔ کیا نتیجہ ہوا۔۔۔۔۔ اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ را ایماندار آدمی تھا۔ ویسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ یہاں کے ایک حاکم کے منظور نظر سیسینہ رنگوں کو بلیک مار کیٹنگ کرتے پکڑا۔“

”کچھ بھی ہو۔۔۔۔۔ میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔“

”تم میں رائے دینے کی صلاحیت نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے۔۔۔۔۔“ رشیدہ نے حرمت سے کہا۔

”میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔“

”پھر۔۔۔۔۔؟“

”قائم کو پھانسو۔۔۔۔۔!“

”تعاقب کے لئے۔۔۔۔۔ کہیں جو مج تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی اسے پیچا ستا ہو گا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن صمدانی اُسے پیچا نہیں سکے گا۔“

”کیسے۔۔۔۔۔؟“

”میک اپ۔۔۔۔۔ اگر وہ انسے پیچا جائے تو میں ڈاڑھی رکھوں گا۔“

”قائم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہو گا۔“

”ہو جائے گا۔“ انور خود اعتدال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو

بل تمہیں ذرا سا اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔“

”نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔“

”تم کرو گی۔“ انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”سائز ہے سات

”شاید تم نئے میں ہو۔“ رشیدہ ہٹنے لگی۔

”تم باز نہیں آؤ گی۔“ انور جھلا کر بولا۔ ”میں کہتا ہوں چب چاپ سنو۔“

”نیا۔۔۔۔۔!“ رشیدہ نے شانوں کو جھکا دے کر کہا۔

”کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔۔۔۔۔ میں وہ بوکھلا کر مجھے طلب کرے گا۔“

”تم نے کوئی بہت ہی گھنیا قسم کا نشرہ پیا ہے۔“ رشیدہ پھر ہٹنے لگی۔ ”بھگ یا چس تو نہیں پی گئے۔“

”تمہارا خون پیوں گا۔“ انور دانت میں کر بولا۔

”ایک الو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔“ رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اسی صورت میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا یا تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔“

”تم اسے نہیں سمجھ سکتیں۔۔۔۔۔ وہ پولیس سے دور ہی رہے گا۔“

”آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔“

”میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرار ہے ہو۔“

”اس کے آدمی سونے کی اسمگنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے دور ہی رہتا ہے۔ اسی اسمگنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کسی پراسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف ہی کی حرکت سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔“

”لیکن یہ تو سراسر اسے کروٹا دے کر لوٹا ہو گا۔“ رشیدہ نے کہا۔

”پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔“ انور چڑھ کر بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ اب تک اس نے کتنے کو لوٹا ہو گا۔ یہی نہیں اسمگنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔“

”لیکن قاسم حمید سے اس کا مذکورہ ضرور کرے گا۔ دونوں گھرے دوست ہیں۔“ رشیدہ

”ہرگز نہیں..... اگر تم اسے منع کر دو گی تو ملک الموت بھی اسے اس کے مذکورے پر آمادہ رکھے گا۔ اس کے تالپ سے بخوبی واقف ہوں۔“

تحوڑی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹیکسی روائی اور آرکچو کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کر کھی تھی اور خاص طور سے آرکچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ ایک دن آرکچو کی کاؤنٹر کلرک اس کی کسی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ وہ ایک صحت مند اور قبول صورت ایگلو اٹھین لڑکی تھی۔ چونکہ اس کا تعلق ایک ہوٹل سے تھا اس نے اس کا انداز ہر ایک سے فلرٹ کا سارہ تھا۔ ہر حال اس کو غلط فہمی ہو گئی اور وہ آرکچو میں بلا نامہ آنے لگا تھا۔ روز ہی اس لڑکی سے دو چار باتیں ہو جاتی تھیں..... حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم میں اظہار عشق کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اس زمان پر زندہ تھا کہ کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

”بیمارے مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے۔“

لیکن آج وہ بہت اداں تھا..... کیونکہ کاؤنٹر کلرک غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تھا بیٹھا غم ہجراں میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کر رہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے بیرے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تحاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت رزوں کرنے والے ویٹر کو بھاری ٹپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہاں میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ ان دونوں میں محض رسمی ساتھی تھا۔ لہذا جب اس نے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور حلق میں پھنسا ساپڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔ قاسم بھی جواباً مسکرا یا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

بیجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بیجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرکچو میں مل جائے گا۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو مجھے ذہن کر دینا..... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں وہیں بیٹھ جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بھنک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے پائے۔ مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چلی آتا۔“

”دیکھو..... مجھے پریشان مت کرو۔“ رشیدہ نے اکتائے ہوئے بجھ میں کہا۔

”میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم ہی کو کیوں قنبلہ کیا ہے۔“

”قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہو گا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہو جائے گا۔“

”ضرور.....!“ اور نے مسکرا کر ایک آنکھ ببابی۔ ”محض اس لئے تیار ہو جائے گا کہ اس سے کہو گی۔“

”میں سمجھی..... تمہیں شرم نہیں آتی۔“

”نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محبوب! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میں تمہیں مرد سمجھتا ہوں..... سمجھیں۔“

”ہزار بار دھرا چکے ہو.....“ رشیدہ بیزاری سے بولی۔ ”میں یہ نہیں کر سکتی۔“

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں سماں ہر ہتھ اور انور اس پر پوری طرح حادثہ تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہو سکتا۔ رشیدہ جانتی تھی کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کہی کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ فلسفہ زندگی رکھتا تھا جس میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مروڑ کر اخلاقیات کے ڈھانپے میں ڈھانلنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔“

وہ پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے الگ ہے پھر رشیدہ کچھ زم پڑ گئی۔ غشت بہر حال اسی کی ہونی تھی۔

”میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔“

قاسم کے حلق میں کوئی چیز امکنی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ تک نہیں سکتے۔

”آج جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام پیار ہے تھے تو معاشرہ اڑاں اپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔“ رشیدہ پھر خاموش ہو کر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم پکلا کر پلکیں جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔

”براؤ دلچسپ کھیل ہے۔“ رشیدہ پھر بولی۔ ”صرف تین آدمی اس میں حصہ لین گے..... میں..... انور اور آپ۔“

”خیا..... خیل ہے۔“ قاسم اپنا حلق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدققت بولا۔

”بہت دلچسپ۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ”ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔“

قاسم ہنسنے لگا۔ دل کھول کر ہنسا..... اس طرح اس کے حلق میں پڑا ہوا پھندا کھل گیا۔

”کون ڈرانے گا۔“ اس نے پوچھا۔

”آپ.....!“

قاسم نے پھر قہرہ لگایا اور بولا۔ ”ڈراؤر اک مارڈا لوں گا سالے کو..... کون ہے۔“

”سیٹھ صد اُنی.....!“ رشیدہ آہستہ سے بولی۔

”ارے بابا رے۔“ قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

”کیوں..... کیا بات ہے۔“

”ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔“ قاسم نے آگے کی طرف جنک کر رازدارانہ

لہجے میں کہا۔ ”مری شامت آجائے گی۔“

”وہ آپ کو پیچان نہیں سکے گا۔“

”نہیں..... وہ مجھے اچھی طرح پیچاتا ہے۔“

”کہتی تو ہوں کہ نہیں پیچان سکے گا۔“

کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔

”تررر..... تریف..... تغیریف رکھئے۔“ قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھئے..... بیٹھئے.....“ رشیدہ نے بیٹھنے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پہلو بدلتے کہا۔ اس نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی میں سارا ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوٹ تھے اس بیت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدققت اپنی بھنی ضبط کی۔

”اے.....!“ قاسم نے بوکھلا کر دوسرے سے کہا۔ ”ایک مرغ مسلم اور لا او۔“

”کیا میرے لئے.....!“ رشیدہ جلدی سے بولی۔

”جی ہاں..... جی ہاں.....!“

”میرے فرشتے بھی پورا مرغ ہضم نہ کر سکیں گے۔“

”کر لیں گے..... سب چلا ہے۔“ قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانست میں رشیدہ تکلف کر رہی تھی۔

”ارے..... نہیں نہیں۔“ رشیدہ دوسری کو روکتی ہوئی بولی۔ ”میرے لئے صرف کافی لا او۔“

”پھر کیا کھائیے گا۔“ قاسم نے پوچھا۔

”پچھے بھی نہیں۔“

”ارے وادیہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ قاسم نے دوسری کی طرف دیکھنے ہوئے کہا۔

”گرلز چکن لے آؤ..... چار.....!“

”قاسم صاحب مجھے مرنا نہیں ہے۔“ رشیدہ نے کہا اور پھر دوسرے سے بولی۔ ”صرف کافی جاؤ۔“

”آپ کی مرضی.....!“ قاسم مضمضہ ہو گیا۔

”میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اوہ..... بھی ہی ہی۔“

”آپ کی شخصیت بڑی پر کشش ہے۔“ رشیدہ اس کی حیات اگیز بھنی کو نظر انداز کر کے بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہو گئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”آخ کیسے۔“

”آپ کا بھیں بلوادیا جائے گا۔“

”میک اپ۔۔۔!“ قام خوش ہو کر بولا۔ ”الا قم میں تیار ہوں۔ حمید کو اپنے میکا

کرنے پر بڑا ناز ہے۔“

”مگر ٹھہریے۔۔۔ آپ کمی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ حمید سے بھی نہیں۔“

”یکوں۔۔۔!“

”بل یونہی۔۔۔ وعدہ سمجھے کر آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔“

”نہیں کروں گا۔۔۔ بالکل نہیں۔“

پھر قام نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھلیل کا مقصد کیا تھا۔ رشیدہ اسے چند منٹ کے لئے تھا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چلی گئی اور قام بیٹھا احقوقون کی طرح خود بخود نہ تار مسکراتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے اس کا تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

”آئیے اب چلیں۔“ رشیدہ نے اس سے کہا۔

قام نے مل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آگئے۔ قام نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو الی اور وہ انور کے قلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر برادر بیٹھے ہوئے تھے اور قام کا سانس پھول رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اسے آہستہ آہستہ بتاتی جا رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن شاید ہی قام نے پوری بات سمجھی ہو۔ وہ کمی تو دل ہی دل میں اپنی دلیل پتی اور کسن یوہی کو گالیاں دیے لگاتا تھا اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند ترقیاتی جملے کہے تھے اور اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ رشیدہ نے اسے کچھ ترقیاتی جملے کہے تھے۔“

”آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ رشیدہ نے کچھ دری بعد پوچھا۔

”جج۔۔۔ جی۔۔۔!“ قام چوک چوک پڑا۔ ”کچھ تو نہیں۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ ارے میں سوچ

رہا تھا کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔“

”آپ بہت اچھے ہیں۔“

قام پھر بوكھلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ آہستہ اس کی گردن کی طرف آئیں گے اور وہ ہکلا کر دم تو زد بے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آئے لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جیزوں پر خود ہی کوں کی بارش کر دے۔ زبان سکھنے لے جو ایسے موقعوں پر لاکھڑا نے لگتی تھی۔ وہ ہانپا رہا اور ٹیکسی فرائٹے بھرتی رہا۔

قاسم کی بدحواسی

سائز ہے نوچ نوچ چکے تھے۔۔۔ انور ایک پیک ٹیلی فون بتوہہ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل ناٹ کلب سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماڈٹھیں میں بولا۔

”ہیلو۔۔۔ شیخر کیا صدائی صاحب موجود ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ڈر انہیں فون پر بلادیجھے۔۔۔ انور نے کہا۔

”ٹھہریے۔۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دری تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

”ہیلو۔۔۔ صدائی اسپینگ۔۔۔!“

جباب میں انور نے بلکا ساق تھہر لکایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بتوہہ سے باہر نکل آیا۔

دوسری طرف صدائی نے اس تھہنے کو حیرت سے سن اور پھر وہ شانکہ میں سیکنڈ سک ”ہیلو ہیلو۔۔۔“

کرتا رہا لیکن جواب ندارد۔۔۔

”پہنچیں کون گدھا تھا..... نہ کرڈس لکٹ کر دیا۔“ صمدانی نے مجرم کی طرف دیکھ کر کہا اور رسیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمرور اصحاب کا دبلا پتلا بوزھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج میں بہار کر دیتی تھیں لہذا اس وقت بھی سیلی ہوا۔ میرز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیروں کا نپ رہے تھے۔ اس نے گلاں میں شراب انٹیلی اور پیشانی سے پیسہ پوچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گراغذیں آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔ چہرے پر کھنی ڈاڑھی اور موچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہوتھ بھی چسپ کر رہے گئے تھے۔ جسم پر انگریزی دفع کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھیں۔“ صمدانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کا پتے لگا جس میں اس نے شراب کا گلاں سنبھال رکھا تھا۔ اس نے گلاں میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹالیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ کہاں نے سکھیوں سے اسے دیکھا۔ خوفناک آدمی اب بھی اسے گھور رہا تھا۔

حمدانی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی جب کھنی اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یہک بیک اس پر مکان کی چھت آگرے گی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ سے موت کے گھاث اتار دے گا۔ بہر حال اس کی بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاں کی بقیہ شراب ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی کھنی موچھوں پر ہو لے ہو لے انگلی پھیرتا رہا۔ جب صمدانی باہر نکل گیا تو وہ بھی اٹھا۔ صمدانی کی کار کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موڑ سائیکل سنبھال جو پروگرام کے مطابق نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ ہی میں موجود تھی۔

اب قاسم با قاعدہ طور پر صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھولانہیں سارہ تھا کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنت حیدر سے مکملے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ سارے

ہاؤں ناول یاد آنے لگے جنہیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا..... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا پراسرار جاسوس سمجھ رہا تھا۔

صمدانی کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب تک وہ کہیں رک کر اترنہ پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہئے..... غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ صمدانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تو ہوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہوئی جو پولو گراؤنڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور قاسم کی موڑ سائیکل کا شور سنائے میں انتشار برپا کئے ہوئے تھے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتنا کرھا تھا کہ موڑ سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔

اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظریوں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے موڑ سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں الگی کار کی طرف گھوم نہ گئی ہو۔ کار کی قریب پہنچ کر قاسم نے موڑ سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صمدانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا کہ صمدانی کار کے اندر رہی ہو گا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

اٹھی تک وہ خود کو ایک فلمی ہیر و تصور کر کے صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے ڈرایا بھی دیا تھا۔ اس نے اس کے حصے بڑھنے ہوئے تھے۔ وہ موڑ سائیکل کا انحنی بند کر کے کار کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کہ صمدانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دبکا ہوا ہو گا۔ کار میں اندر میرا تھا۔ قاسم نے جیب سے ثارچ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صمدانی پر پڑا۔ جو پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

”انتا خوفزدہ ہے۔“ قاسم نے آہست سے بڑی بڑی کھڑکی کے اندر سر ڈال دیا۔ اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صمدانی کی باکیں آنکھی کی جگہ ایک بڑا سا

بل اندر فرش پر جاگر۔

”کیا ہوا.....؟“ اور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ رشیدہ بھی بڑھی۔ دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ قاسم کسی ٹھکنے کی طرح فرش پر پڑا ہاتھ رہا تھا۔ وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھٹ پر جمی ہوئی تھیں۔

”کیا ہوا.....!“ اور اسے جھوٹ نے لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھٹ پر جمی رہیں اور وہ کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانتا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر بُرا سامنہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بڑھ گیا۔

”تم نے میرا بیٹا غرق کر دیا۔“ وہ دھماڑ کر بولا۔

”ہوا کیا.....؟“

”اب مجھے چھانی۔۔۔ ارے بُپ رے۔“ قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی گردنٹون نے لگا جیسے کچھ چھانی کا چند اپر گیا ہو۔

”کیا.....؟“ انور حیرت سے بولا۔ ”کیا تم نے اسے مارڈا۔“

”میں نے.....!“ قاسم حلنچ چھڑ کر چھنا۔

”ذر آہستہ پیارے..... شور نہ چاہو۔“ انور نے اس کا شانہ ہلا کر کہا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔

”تم نے مجھے چھانس کر اسے ختم کر دیا۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔“ انور بوكھلا گیا۔

”ہاں اب اسی طرح بخو گے۔۔۔ میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دیں۔۔۔ نہیں تو کیا میں چھانی پر چڑھوں گا۔“

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکار رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

”میری موڑ سائکل کہاں ہے؟“ انور نے پوچھا۔

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون نکل کر اس کے باسیں گال پر پچھل گیا تھا۔

وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا۔۔۔ پھر دوبارہ ”ارے بُپ رے“ کا نغمہ مار کر انے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدھوای میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہاں تک وہ ایک موڑ سائکل پر آیا تھا اور اسی پروالیں بھی جا سکتا تھا۔ دیوبھیسے ذیل ڈول کے باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولوگراڈٹ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بھلی کے کعبے سے پٹ کر ہائپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صدائی کا خوفناک چہرہ تھا اور اب اسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

پچھڑ رہا سانس خیبری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدمی ہی مت بعد وہ لا حکمہ والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس کے منہ سے منٹانی ہوئی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر اسے یک بیک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اسے بوکھلا ہٹ میں نو پنے لگا۔۔۔ ایک ایک بال چن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پاؤر ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اب ”انور“ کے قلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے پچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیر راست کس طرح لے کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے چھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پہنچیں اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے کا نوٹ دیا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بہر حال ٹیکسی ڈرائیور کے تھیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا میں اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔“ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھا رہا پھر بڑا ہتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ”ایسے ہی روز پھر کریں..... تو.....!“

قاسم نے انور کے قلیٹ کے دروازے پر دیکھ دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ کے

”ہوگی سالی کہیں..... میں کیا جانوں؟“

”کیوں؟ کیا تم موڑ سائکل پر چھین گئے تھے۔“

”گیا تھا!“ قاسم جھلا کر بولا۔ ”شاید وہ وہیں رہ گئی۔“

”کہاں!“

”کار کے پاس۔“

انور بولکھا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہوانیاں اڑنے لگیں۔ انور
چند لمحے خاموش رہا پھر پس کر بولا۔ ”اچھا الوبنایا تمہیں صمدانی ہے۔“

”کیوں؟“ قاسم چونک پڑا۔

”تم اسے ڈرانے پلے تھی الٹا اسی نے تمہیں ڈرایا۔ وہ بھی اپنا چیرہ بنانے اور
بگاڑنے پر قادر ہے۔“

”تو کیا وہ سب بناؤ تھا!“ قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

”یقیناً ورنہ اس طرح اچاک مرجانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ خوب آلو
بنایا بھی واد۔“

”تب تو میں اس سالے کو ماری ڈالوں گا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخراتی جلدی وہ
کیسے مر گیا۔“

”تم بہت تھک گئے ہو۔ خیر ہم اسے پھر دیکھیں گے“ انور نے کہا اور پھر رشیدہ سے
بولا۔ ”ذر اتم ان کے لئے طاقت کی دوا بنا لاؤ وہ نیلی شیشی والی ورنہ ہفتون ان کے
جسم میں درد ہو گا۔“

”ضرور ضرور!“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”الا تم میں تھک کر چور چور ہو گیا ہوں۔“

رشیدہ انور کو گھوڑتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران میں انور پھر ایسی
باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آجائے کہ صمدانی نے اسے کچھ بیوقوف بنایا ہے۔
رشیدہ گلاں میں دو دھیارے کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

”اے پی لو۔“ انور نے قاسم سے کہا۔ ”پانچ منٹ میں جوڑ کا درد نکل جائے گا۔“
قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاں خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں
نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تو بلی کا بچہ ہوں نہما منا
سما انور بھائی۔“

اور پھر کر کری پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گھبری نیند سو گیا۔

”یہ کیا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ رشیدہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

”اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔“ انور
نے کہا۔

”مجھے کچھ بتاؤ تم کیا کر رہے ہو۔“

”وہی جو پہلے بتا چکا ہوں صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں شاید کوئی پہلے
عنی سے اس کی گھاٹت میں تھا۔“

”لیکن اب تھہارا کیا بنے گا۔ موڑ سائکل بھی وہیں رہ گئی۔“

”دیکھا جائے گا میں تو جواری ہوں ہاں موڑ سائکل کا معاملہ ضرور تشویش
ناک ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔“

”کیا انتظام کرو گے۔“

”موڑ سائکل کی گشتنگی کی روپرٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موڑ سائکل سڑک کے
کنارے چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ وابسی پر موڑ سائکل غائب تھی۔ ناٹ کلب کے
قریب ہی کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔“

لاش کہاں تھی

دوسری صفحہ

پولو گراؤنڈ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے ہی

میٹر صدماں کے موڑ ڈرائیور نے آج صبح ایک حیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات میٹر صدماں کو لے کر ہائی سرکل نائنٹ کلب گیا تھا..... میٹر صدماں اندر چلے چئے اور وہ باہر کپاؤٹ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا رک کپاؤٹ کے ایک سنان ہے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر میں کہہ از خم آیا ہے میٹر صدماں کے متعلق نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں۔“

انور خود بھی دن بھر جزوں کی فراہمی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صدماں کی کوئی کہی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہو سکی۔ جب شام کا اخبار نکل چکا تو اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقا تی کا رڑ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھا رہا تھا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چوت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اُسے اٹھ کر اگالے ان میں تھوکنا چاہئے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال پھولتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آ کر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آ گیا اور بر جستہ جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

”خدا تمہیں غارت کرے۔“ قاسم اسے مکا کھا کر بولا۔

”میں نے کیا کیا ہے۔“ اس کی بیوی نہ پڑی۔

”تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے۔۔۔ جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔“

”تم تھوک کر بولے ہوتے۔“

”کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔“

”واہ یہ اچھی رہی۔۔۔ گندے کہیں کے۔“

وہ اپنی بھی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں وہ برابر پشتار ہے۔ کار کے پیچھے ایک موڑ سائیکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرے را گیروں کا بھی عمل دیکھتا۔

تحوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں فرق تھی کہ آخر کار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس میں بھی ادھر آنکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ گئے کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس میں نے پاور ہاؤز سے کوتوالی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک کار اور ایک موڑ سائیکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرخی جمالی تھی اور وہ سرخی تھی۔ ”کار میں گدھا۔“

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراوٹ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گلہا سوار تھا..... کار کی کھڑکیاں بند تھیں اور گلہا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ آئندہ شائد کبھی انہیں اتنا دلچسپ منتظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک موڑ سائیکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہور کروڑ پتی میٹر صدماں کی تھی اور موڑ سائیکل روز نامہ اشارے کے کرام رپورٹر میٹر انور کی۔۔۔ میٹر انور نے پچھلی رات کوتوالی میں اپنی موڑ سائیکل کی گشتدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی..... رپورٹ کے مطابق میٹر انور اپنی موڑ سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چاہے گیا۔ پولیس ابھی تک میٹر صدماں سے ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سنسنی خیز اکشاف ہوتا۔

”کیا کہا.....میں گندہ ہوں۔“ قاسم حلق چھاڑ کر چینا۔

”نہیں بڑے صفائی پسند ہو.....قمیض بر باد کرنی۔“

”تم سے مطلب.....میری قمیض ہے یا تم اپنے بادا کے گھر سے لائی تھیں۔“

”دیکھئے.....باپ دادا تک نہ چڑھے گا.....ورنہ اچھا نہ ہو گا۔“ وہ بھی تیز ہو گئی۔

”کیا نہ اچھا ہو گا.....چڑھوں گا باپ دادا.....تمہارے باپ تمہارے دادا سو دفر تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔“

”دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔“

”دیکھتا ہوں کون روکے گا.....پان عن نہیں.....اب براغذی کی بولیں بھی آئیں گی۔“

”بچا جان کا ہٹر شامہ بھول گئے۔“

”لکل جاؤ.....!“ قاسم حلق چھاڑ کر چینا۔ اتنے میں تو کراور کا کارڈ لے آیا۔

”تم بھی دفان ہو جاؤ۔“ قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر نوکر سے کہا۔ ”میں کسی سے نہیں ملوں گا۔“

”مگر سرکار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔“

”جاوہ کہہ دو.....صاحب مر گئے.....جاوہ.....!“

”نہیں کہہ دو.....صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔“ قاسم کی بیوی نے کہا۔
نوکر جانے لگا۔

”رُک جا بے.....!“ قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ”کیا کہے گا۔“

”صاحب.....قمیض.....!“

”گا گھونٹ دوں گا۔“ قاسم دانت پیس کر بولا۔ ”اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے.....سمجھے۔“

”جی صاحب.....!“

”جا کر کہہ دے کے صاحب مر گئے۔“

نوکر پلا گیا۔ قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔

”خوٹوڑی دری بعد نوکر واپس آ گیا۔“

”صاحب وہ انور صاحب ہیں..... ضروری کام ہے۔“ اس نے کہا۔

قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قبل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قیقہ لگا چکا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائیکٹ روم میں انور اس کا منتظر تھا۔

”تم نے اخبار دیکھا۔“

”ہاں دیکھا..... واقعی سالا بڑا مخزہ معلوم ہوتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔“ ”کیا.....!“

”صدمانی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قسم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے تو مجھی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔“

”کیوں..... کیا بات ہے..... صاف صاف بتاؤ۔“

”تمہیں کئی آدمیوں نے نائنٹ کلب میں دیکھا تھا..... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم مومنی کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر رہا سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے تم نائنٹ کلب سے نکلے تھے۔“

”تو اس سے کیا ہوا..... وہ مذاق تھا..... اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔“ ”تم منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

”کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا۔“ انور نے اسے گھور کر کہا۔

”وہ تمہاری حرکت تھی۔“ قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ”خواہ مخواہ بیچارے کا سر چھاڑ دیا۔“

”چلو میری ہی حرکت سی۔ لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو اس طرح ہنس جاؤ گے۔“

”میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالمہمانی کی تاک میں ضرور رہوں گا۔“

”نہیں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔“

”بھول گیا۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”کیا واقع
رشیدہ تمہاری یہوی ہے۔“
”کیوں.....؟“ انور سکرا کر بولا۔ ”یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت ہے۔“
”اوہ..... اسی لئے تو میں ان سے..... ان کو..... بہت اچھا سمجھتا ہوں۔“

”خیر اچھا تو میں اب چلوں گا..... خیال رہے کہ.....!“
”میں سب سمجھتا ہوں فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آؤں گا۔“ قاسم نے کہا
”شاید ہم لوگ نہ ملیں۔“ انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک اسی
واقتے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے مطابق قاسم نے کچھ صمدانی کی لاش عین دیکھی
تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کبھی نہ بجا گئی۔ اس نے یہاں تک تو بیٹایا تھا کہ اس کی بائیں آنکھ
جلکد ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ لگعا
کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ تم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موڑ سائیکل بھی وہیں
جوں کی توں رہنے والی تھی۔

نویت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھے..... انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے چل کر
معاملات اور زیادہ چیزیں نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موڑ سائیکل کی چوری کے متعلق اسے شے
کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موڑ سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی تک
پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انسپکٹر فریدی سے ضرور ملا
چاہئے۔ دوسروں کی بات تو الگ رہی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکل کی تھی۔ رشیدہ فرالاگ کے فاسلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے
خیال تھا کہ گدھ والی حرکت انور ہی کی تھی اس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدد گلم
ٹھونس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوش کرنے کے بعد وہ سید
کو توالی گیا تھا اور موڑ سائیکل کی گلشنگی کی رپورٹ درج کر کے پھر گھر واپس آگیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہونتے انور فریدی کی کوئی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی ابھی کہیں سے
ہیں آیا تھا اور کیڈی کو گیرج میں ڈال کر باہر نکلا ہی تھا کہ انور سے سامنا ہو گیا۔ فریدی اپنے
خوس انداز میں میکرا کر رک گیا۔

”خوب.....! اس نے کہا۔ ”تو تم آگئے۔“

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بغور فریدی کے پیہرے کا جائزہ الی رہا تھا۔ جس پر تھوڑی
ہت تھکاوٹ کے آثار نظر آرہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے
رکے آیا ہو۔

”آ..... اندھر چلو.....!“ فریدی نے کہا۔ ”کاروائے گدھ ہے نے تمزے گدھ خیجید کو
پی طرف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صمدانی کی بیکری میں منورین سے غپ لڑا
 رہا ہو گا۔“
 دونوں اندر آئے اور فریدی ایک صوبے پر گرتا ہوا بولا۔ ”شاید تم صحیح واقعہ بتانے آتے ہو۔“
 ”کیا صحیح واقعہ.....!“ انور گز بڑا کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھتا۔“

”فرزند..... میں آصف نہیں ہوں۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔ ”موڑ سائیکل کی بچی کہانی
محظے در کار ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔“
 ”موڑ سائیکل..... وہ تو چوری۔“

”نہیں.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وقت نہ برباد کرو۔“ موڑ سائیکل ناٹ کلب
 سے کافی فاسلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا خوار رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو گلب سے ڈیڑھ
 فرالاگ کے فاسلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے
 رپورٹ میں ساڑھے تو کا وقت لکھا ہیا ہے۔ قل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ گھکھ کرتی
 میں وہاں پہنچ گیا۔ لہذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیا رہ
 تائے گا۔“

انور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی سکرا رہا تھا۔

”ہم..... اوزم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھاٹھونے کی کیا ضرورت تھی۔ سنو
برو! اس موڑ سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا..... اور وہ صدائی کی کار کا
ذب کر رہا تھا۔ محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔ غالباً وہ کسی بناء پر
نیوڈیر کے لئے نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صدائی قتل کر دیا گیا۔ کیا اس گدھے نے
پیس کو آج دن بھر پر بیشان نہیں رکھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قاتلوں کا مقدمہ رات ہی کو حاصل
ہیا ہو گا۔ شام کو وہ رات بھر کے لئے اس قتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ اس لاش کو سر ہاؤز
لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جاتے۔“

”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موڑ سائیکل پر میں تھا۔“ انور نے کہا۔

”نہیں..... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کہ تم کسی ایسی جگہ اپنی موڑ سائیکل چھوڑ جاؤ
گے..... لیکن اس پر جو کوئی خاتم اس سے واقع ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقع ہو گئے
تھے..... اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گردھی۔“

”آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔“ انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری
رواد دہرانی پڑی۔ فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خبیط
کرنے کی انجمنی کو شکر رہا ہے۔ اور خاموش ہو کر دمری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت فریدی
سے نظر ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

”یہ ایک غصی غیر قانونی حرکت تھی۔“ اسے فریدی کی پاسٹ اور سرد آواز سنائی دی۔

”اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔“

”میں پھنس جاؤں گا.....!“ انور بوكھلا گیا۔

”جہنم میں جاؤ..... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں
سینکڑوں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھلنے کی کوشش نہ کیا کرو..... نہیں نہیں میں مجبور
ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور پھر تم نے اس گدھے قائم کو اس میں شریک کیا تھا..... تم
امتن بھی ہو۔“

”اگر معاملہ تمہاری موڑ سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔“ اس نے کہا۔
”پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا،“ انور ڈھنائی سے بولا۔
”انور بکواس بند کرو۔ میں ابھی ابھی صدائی کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔“
”کیا.....؟“ انور اچھل پڑا۔

”لاش آج صحیح اس کے سر ہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھرمی کے مضافات میں ہے۔ کسی
نے اس کی بائیں آنکھ میں گوئی ماری ہے۔ ذاکر کی روپرث ہے یہ قتل پچھلی رات کو دن بیجے
کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔“
انور سنائے میں آ گیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”لیکن قتل سر ہاؤز میں نہیں
ہوا۔ صدائی کے جسم پر پورا بس تھا اور اس نے جو تے بھی نہیں اتارے تھے۔ پھر بھی اس کی
لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں ملا..... ریو الور کی نال آنکھ پر رکھ کر
گوئی چلانی گئی تھی کیونکہ طبقے کے گرد بارود کی کمرغڑ پائی گئی ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ اپنی
کار میں ہی قتل کیا گیا تھا..... اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔“
وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھوڑے نے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔
”لیکن تمہاری ہی موڑ سائیکل کیوں۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ صدائی کے ذرا بیور
کو بیوٹ کر کے دہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو ایک
پراسرار آدمی نے اس کے ذرا بیور کی جگہ اور صدائی اسے نہیں پہچان سکا۔ راستے میں اس نے
کار روک دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صدائی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پراسرار آدمی
نهایت اطمینان سے ٹڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریو الور کے کڑیگر دبادیا۔ یہ سب تو ہوا لیکن
تمہاری موڑ سائیکل کا وہاں کیا کام..... ایسی حالت میں جب کہ وہ چاری بھی نہیں گئی تھی۔“

”آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا..... تو پھر لاش کو وہاں اتی دور سر ہاؤز میں لے
جانے کی کیا ضرورت تھی۔“ انور نے کہا۔

فریدی کے دلائل

... انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سارا سکایا اور کمرے میں ٹھیلنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں اس کا ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صد اُنی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبار سے وہ ایک سوچی سمجھی اُنکیم معلوم ہوتی تھی۔

”تو کیا پھر واقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا۔“ انور بڑا بڑا اور فریدی رک کر اُسے گھومنے لگا۔ انور کہتا رہا۔ ”دیکھئے..... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حوالات کی شکل دیکھوں لیکن میرے راستے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔“

”کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔“

”نہیں..... مجھ میں اتنی بہت نہیں کہ آپ کو چیخنے کر سکوں۔ لیکن پولیس کی دشواریاں ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔“

”لوٹنے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم اگراتے ہی ذہین ہوتے تو قام جیسے احتک اس کام میں نہ شریک کرتے۔“

”جودل چاہے کہے..... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صد اُنی قتل نہ کر دیا گیا ہوتا تو اس وقت ایک سونے کی چیزیاں میری مشی میں ہوتی۔“

”تمہیں اب بھی اپنے فعل پر نیامت نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”قطعی نہیں..... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقف ہیں۔ کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کچلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ میری گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظر وہ میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خود اپنی جگہ

”بُنْ قَانُونْ ہوں۔“
”تمہیں فی الحال ایک گلاں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔“ اچاک بہامے سے آواز آئی۔
”پر جنٹ حیدر تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلکت ہیبت
اور گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی۔“

”تم اس وقت بالکل سہرا ب موعدی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔“ حیدر نے سمجھ دی
”ہما پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔“ ”برخوردار بغا خاں پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔“
”کوئی خبر.....!“ فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔
”لورین بڑی پیازی لڑکی ہے۔“
”کیوں.....؟“ فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حیدر
ویسا بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔“

”لیکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی موٹرسائیکل کے۔“ حیدر نے چک کر کہا۔
”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب پکھا اور سوچ رہے ہیں۔“

”کیا سوچ رہے ہیں؟“
”لاش ملے کے بعد سے نئی دوڑ و ھوب شروع ہو گئی ہے اور اب انہیں اس دیوبنکل آدمی
کی تلاش ہے جو کلب میں صدائی کو گھور رہا تھا۔ مثیر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ
سازھے نو بیج صدائی کے لئے کسی کی فون کال آئی تھی اور صدائی نے کال رسیو کرنے کے بعد
نخبر سے کہا تھا کہ ایک قہقهہ لگا کر کسی نے دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔“

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سرہلا کر اپنی جیب میں
گریٹ کا پیٹ ٹوٹنے لگا۔

”کیا مطلب.....!“ حیدر باری باری سے دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔
”میں اب چلوں گا۔“ انور اٹھتے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حیدر بھی چپ
چاپ انسے جاتے دیکھتا رہا۔

”یہ کس لئے آیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”بیٹھ جاؤ..... اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔“ فریدی نے کہا اور پھر اس نے واقعات دہرا دیئے جو انور سے سنے تھے۔

”قاسم.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے حیرت ہے..... مگر نہیں چونکہ انور نے یہ جال

رشیدہ کے ذریعہ بچکوایا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔“

”اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گایا نہیں۔“

”اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ دو کاندار.....!“

”اس کا انظام میں پہلے ہی کر پکا ہوں..... وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دو کان آٹھ ہی بجے بند ہو گئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی ضرورت نہ سمجھتا۔“

”بہر حال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جا رہا تھا۔“

”لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہوئی چاہئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جائے۔ اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہوا نہیں ذہین اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گدھا ہونے والی کے اطمینان اور دیدہ دلیری کی دلیل ہے۔“

”پھر آپ کیا کریں گے؟“

”قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احتمال بھی مفت ہی میں مارے گا۔“

”اے ٹھیک کرلوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن انور کو بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی ہی چاہئے۔“

”اس پر پھر غور کریں گے۔“

”اچھا تو میں چلا..... قاسم کو سیندھا کرنے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کیا کرو گے؟؛“

”کچھ نہ کچھ کریں لوں گا..... ہاں..... وہ لڑکی لوریں..... صمدانی کی پرائیویٹ

سیکریٹری..... مجھے اس پر شہر ہے۔“

”کس بات کا۔“

”قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔“

”وہ کس طرح..... بیٹھ جاؤ۔“

”گفتگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی لہذا اسے جتنا داخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہو گا کسی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا اس دوران میں صمدانی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ اس نے اس کا جواب بھی میں دیا۔ حالانکہ کئی نوکروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر نہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کمروں کی کھڑکیاں خود ہی بند کرتا تھا..... اگر وہ بند ہوئی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار ان کے بولٹ ضرور نہیں لیتا تھا۔“

”تو تم اس لڑکی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ہاں وہ اٹھ دیتی ہے نا.....!“ حمید چھپھلا گیا۔

”اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔“

”لاوارث..... یعنی کوئی اولاد نہیں..... پہنچنے یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے ہیں۔ یہوی عرصہ ہو امر بھی۔ ایک بھتیجا ہے..... وہ خود بھی بڑا سرما یہ دار ہے۔“

”کون.....؟“

”سجاد صمدانی..... اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت ہے جسے اس کے فیجر کنٹرول کرتے ہیں۔“

”تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔“

”جی ہاں..... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہو گا۔“

”میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں..... اور کوئی خبر۔“

”بُرخوردار بُرخراخاں آج پکھست ہے۔“ حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اے بیہاں سے ہٹانے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا۔“

”چلا جائے گا جتاب..... کیا آپ نے اسے تیتم سمجھ لیا ہے۔“ حمید امتحانا ہوا بولا۔ وہ جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت تو کرنے والیں۔ پیشی کی آمد کی اطلاع دی اور اس کی آمد پچھی سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے حمید نے فی الحال باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے کیسے تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھلکھل جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں روزے انکا نے لکھتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائیکٹ روم میں والیں۔ پی کا استقبال کیا۔

”والیں۔ پی کے پھرے سے تحمل کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تہماں تھا۔

”اس کیس نے تو چکرا کر کر دیا ہے۔“ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

”بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔“ فریدی نے بندگی سے کہا۔

”اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ خاموش نظر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس مودہ میں کبھی نہیں دیکھا۔“

”کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے..... بعض سیدھے سادے معاملات کی تھے تک پہنچا بھی دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔“

”بگھا پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بڑی ہوتی ہے۔“ والیں۔ پی نے کہا۔

”حمد مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح والیں۔ پی فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

”سگار.....!“ وہ والیں۔ پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

”ڈی۔ والیں۔ پی نے سگار لے کر سلاگایا۔ پکھدہ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

”لیکن اس کرامہ رپورٹ کی موڑ سائکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک بہادی نہیں۔“

”الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موڑ سائکل ہی نہیں ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اس گھرے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی ہت کر چکا ہوں کہ قتل سر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔“

”ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ ضمانتی کی کار میں بھی ذو ایک جگہ خون کے دھبے لے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی..... حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موڑ سائکل کا معاملہ..... بھی وہ دوکان جہاں اس نے موڑ سائکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دوڑنے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔“

”میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی کی کہا۔ ”لیکن آپ کو یہ تعلیم ہے کہ مجرموں نے کیس کو بیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔“

”قطعی۔“

”تو پھر وہ موڑ سائکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ انور کوئی گنائم آؤ نہیں، اور بہترے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہو گی کہ وہ اکثر پولیس سے الجھتا رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے چھنانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موڑ سائکل لے جانے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ ٹرک کہتے۔“

”کیوں..... ٹرک کیوں.....؟“

”اوہ..... تو کیا آپ نے سر ہاؤز کے سامنے دوہرے پہیوں کے نشانات نہیں دیکھے۔“

”وہرے پہے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں..... وہ غالباً اسی ٹرک پر لاش وہاں دلے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احتیف نہیں ہو سکتا۔”
معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔

”اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔
بولा۔

”میں اسے ہرگز نہ تعلیم کروں گا۔“

”انور آپ کا دوست ہے نا..... اور شائد وہ خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔“

”دلیل! ڈی۔ ایس۔ پی صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں کوئی بات بغیر دلیل نہیں
کہتا۔ کیا آپ انور کو احتیف سمجھتے نہیں۔“

”ہرگز نہیں..... وہ شیطان کا بھی چچا ہے۔“

”یعنی کافی ذہین ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”کیا کوئی ذہین آدمی آدمی نہیں بلکہ
صاف صاف مجرم کہئے کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکا ہے
جس سے اس کی گردان پھنس جائے۔“

”جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا ساقہ تھہ لگایا پھر بولا۔ ”کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صدماں کو کار
میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔ پھر
کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع ہوتی
ہے دوسرے دن صبح۔ کیا رات بھر میں موڑ سائکل وہاں سے ہٹائی نہیں جاسکتی تھی۔“

ڈی۔ ایس۔ پی ایک گھری سائنس لے کر صوفے پر شیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے پر
حکمن کے آثار اور زیادہ گھرے ہو گئے تھے۔

حمدید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معاملے
سے الگ کر دیا۔

”میں تو محض.....“ ڈی۔ ایس۔ پی تھوڑی دیر بعد پھیکی مسکراہٹ کیا تھے بولا۔ ”اس معاملے

میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احتیف نہیں ہو سکتا۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جانے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

”میں صدماں کے ورثاء کے متعلق چجان میں کر رہا ہوں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کچھ دیر
بعد کہا۔

”شائد اس کے ایک بھیجا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں سجاد صدماں اس کا بھی کافی بڑا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں
آیا..... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔“

”ملاقات سے کیا مراد ہے۔“ فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

”پچھلے سال اس کا جزیل میجر انگلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لیتا تھا۔ جب وہ
انگلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صدماں کا ایک تار ملا جو فرانس سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض
مشغولیات کی بناء پر انگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جزیل میجر پرس پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا
جو جرمنی سے بھجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جلا گیا
ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہو سکی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ طے ہو گیا تھا
اور اس نے جزیل میجر کو مختار کل بنارکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔“

”یہ اطلاع دلچسپ ہے۔“ فریدی ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”کیوں؟“

”کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال
سے نہیں دیکھا۔“

”ہے تو..... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے
ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”صدماں کی مالی پوزیشن کیا تھی۔“

”کروڑوں کا بینک بیلنس کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور یہاں کی بڑی بڑی میزیں تھیں جن پر فائلوں کے ڈھیر تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کمرہ تھا جسے پولیس نے مقتل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقتل نہیں کیا تھا کہ پولیس صمدانی کے کاغذات کی چھان بین کر رہی تھی اور پچھلے دیر قبیل کچھ آفیزبر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات کی بہتری الماریاں ایسی باتیں تھیں جنہیں کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ یہ صمدانی کا بھی آفس تھا اور یہاں پرانے ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد بھی آج اسک کسی کو اس گول میز کی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خیال آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخروٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی گول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کر ان کا اوپری تختہ اتنا موٹا کیوں ہے اور وہ اپنی جگہ سے جبکہ نہیں کر سکتی۔

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اوپری تختے کو نیچے سے ٹوٹا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ میں ایک پتلی ختحی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے ختحی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ دال کر بھل کا ایک پلک نکالا جس کے سرے سے تار مسلک تھا۔ دوسرے لمبے میں وہ اس پلک کو دیوار سے لگکے ہوئے سوچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلک لگتے ہی کھٹا کے ساتھ قریب تھی کی بڑی نیز کے نیچے کا فرش ایک طرف کھمک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے تاریخ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے سک پینچت کے لئے اسے دس میٹر ہیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اوپری کرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آسمی الماری رکھی ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ بند تھی۔ لورین نے پینٹل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلاک تھا۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی ایسی

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔ ”زیریں افریدی سر ہلاکر بولا۔“ زیکھنا یہ ہے ”خوب..... تو اب یہ سجادہ صمدانی کا سب کچھ ہے۔“ فریدی سر ہلاکر بولا۔“ زیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ سب معاملات بھی جزل نیجر ہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یا وہ خود آتا ہے۔“

”لیکن اس سے ہماری تقیش پر کیا اثر پڑے گا۔“

”یہ بھی بعد کی چیز ہے۔“ فریدی بنے کہا۔“ ویسے اس قتل کا تمعینہ پکھنہ کچھ ضرور ہوگا۔“

”کیا آپ سجادہ پر شبہ کر رہے ہیں۔“

”نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں آتی۔“

”لیکن وہ تو تین سالاں سے اونگلی میں نہیں۔“ ذی ایس۔ پی بنے کہا۔“

”اب۔ اس نے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ لیکن آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔

”بگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔“ ذی ایس۔ پی بنے کہا۔“ اور میں آپ سے گھماو پھراو کی توقع رکھتا ہوں۔“

”کون جانتا ہے کہ اس میں گھماو پھراو نہ ہوگا۔“ فریدی آہستہ سے بولاتی۔

”لورین نے اپنے بیگ سے تاریخ نکالی اور جائزہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے سک پینچت کے لئے دوسرے دن سر پھر کو صمدانی کی پرائیوریتی سکریٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند لمحے کھڑی اور ہر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقتل کیا۔ ایک بار پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازے کو مقتل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

پراسرار مسٹر براؤن

فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دنوں پتے تحریر کئے۔
تارام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقیم تھا۔
اس تارکوم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔ فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔
”مجھے افسوس ہے مسٹر فریدی..... یہ صرف پوسٹ ماسٹر جزل کے حکم سے ہی ہو سکتا ہے۔“
”تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔“

”شوق سے.....!“

فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔ جی کے نمبر ڈائل کئے اور اس سے تارکانے سے
تعلق گفتگو کرتا رہا..... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
”میں پوسٹ ماسٹر جزل کو اپروچ کر رہا ہوں۔“ فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔
”بہتر ہے۔“ پوسٹ ماسٹر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔
شاید دل منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوسٹ ماسٹر ریسیور اٹھا کر ستارہ ہا۔ پھر اس نے
ریسیور کر کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔ ”بہت اچھا جناب..... لیکن آپ مجھے
اں قسم کی ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے رکوار ہے ہیں۔“

فریدی تحریر دے کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس نے پیک فون کا ریسیور اٹھایا۔
”ہیلو..... آپ پیش..... لامگ ڈسٹنس پلیز..... رام گڑھ.....!“
وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ”رام گڑھ..... انٹلی جنس یور یو پلیز..... اوہ پلیز
لکھ میجر نصرت..... ہیلو میجر نصرت..... میں احمد کمال فریدی بول رہا ہوں۔“ تھوڑی سی
تکلیف دوں گا..... ایک آدمی کے متعلق معلومات درکار ہیں..... نام مسٹر براؤن..... سکونت
کرہ نمبر اٹھائیں شیزان ہوٹل..... میں اس کی نگرانی بھی چاہتا ہوں..... مجھے گھر ہی پر فون
کیجئے گا..... مگر نہیں آفس کے نمبر پر۔“

فریدی نے ہلاکا سا قہقہہ لگایا۔ ”تاکہ آپ کال کے پیے مچکے سے وصول کر سکیں۔ اچا
بہت بہت شکر یہ۔“

چیز نہ دکھائی دی جسے وہ الماری کوئے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تھک ہاڑ کر اور پر
واپس آ گئی۔

سوچ گبڑ سے پلگ ہٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔
چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی..... باہر اب بھی سنا تھا۔ قرب وجہ ایک تنفس
بھی دکھائی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تارکھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر بیچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا اور
پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ بیگ سے نکٹ نکال کر فارم پر چسباں کئے اور اسے ٹلک
کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

پھر جیسے عیادہ کرنے سے باہر نکلی..... دوسرے دروازے سے فریدی اندرا آیا۔..... اس
نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لورین نے تار دیا تھا..... پھر وہ پوسٹ ماسٹر کے
کمرے کی طرف گیا۔

اس نے اپنا کارڈ پوسٹ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تھوڑی تکلیف دوں گا۔“

”فرمائیے.....!“ پوسٹ ماسٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

”کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے..... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔“

پوسٹ ماسٹر نے معنی خیز انداز میں سرہا کر چڑھا کی کے لئے گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد لورین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

”میں وہاں تک پہنچ گئی..... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی..... کسی ایک پرست ملکیں کو بھیجو.....!“

کرچیانا۔“

تار بھینجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لورین صدافی کی کوئی کمی کے ایک حصے میں
رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھینجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔

اس نے ریسیور کھکھل کر کال کی قیمت ادا کی۔

سر جنت حید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھا اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن انہیں بھر بھرا کر رہا گیا۔ حید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے ٹھہرنا شکا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریدی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کرایا جائے۔ جب تک وہ کار سنبھالے گی فریدی خود بھی باہر آجائے گا۔ وہ اسے کار کے انہیں میں الجھی ہوئی چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔

حید بچھلی رات سے شرارتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تو وہ گت بنائی تھی کہ خدا کی پناہ۔ اس نے اسے ڈھکلی دی کہ وہ اسے قفل کی سازش میں پھنسوا دے گا۔ قاسم کے ہاتھ پر پھول گئے۔ نوبت بہ ایں جاریہ کردی کہ حید نے اسے مرغنا بنا دیا اور جب وہ مرغنا بنا ہوا مرغ نے کبوٹی بول رہا تھا تو حید نے چپکے سے اس کی بیوی کو بالایا۔ پھر جو اس کی بیوی پہنچی کا دورہ پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پہنچی پا جانے پر آمادہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حید اسے اس حرکت پہنچایا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے بندی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ بی بی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافہ کو اپنے بیک میں ٹھونٹے۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اوپنی ہی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً نیاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتے میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اٹ کر اور جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے یہی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے قلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

”جاوہ بکواس نہیں۔“

مید چند لمحے خاموش رہا۔ پھر نہ اسامنہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ فریدی باہر آیا۔ لورین ابھی تک انہیں پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بے بھی ہر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریدی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اسے شاید کی روائی کا انتظار تھا۔

آخر کار پچھہ دیر بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے لورین کی مدد کی۔ انہیں اسٹارٹ ہو گیا۔

اور لورین کی کار تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ فریدی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر فریدی نے محسوس کیا کہ لورین یونہی ادھر ادھر چکر لگا رہی ہے۔ آخر پچھہ دیر بعد اس نے اپنی ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے روک دی۔

جب وہ اندر چل گئی تو فریدی بھی کیڈی لاک سے اٹرا۔

لورین ایک کیبن میں بیٹھ چکی تھی۔ فریدی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال میں

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے بندی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ بی بی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافہ کو اپنے بیک میں ٹھونٹے۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اوپنی ہی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً نیاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتے میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اٹ کر اور جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے

یہی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے قلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر واپس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار چھوڑی تھی ” درحقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹرینک پولیس کا آدمی کار کے مالک سے باز پرس کر سکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کاشیبل نے لورین کی کار کا ہارن بجا یا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلتا۔

”آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ جوتا کی میں تھا۔

”جاننا ہوئی دوست.....!“ فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کاشیبل چونکہ کچھ ہٹ گیا اور اس نے گز بڑا کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔ شاید وہ اسے پیچانا تھا۔

”میں اوپر جا رہا ہوں.....“ فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اگر مجھ پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیالیس میں آسکتے ہو۔ دونوں گاڑیوں کو میں رہنے دیتا۔ سمجھے۔“

پھر وہ اسے متیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل کی راہباری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی فلیٹ کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آ رہی تھی۔ فریدی نے تاریچ روشن کی۔ پھر وہ چھیالیسوں فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشوں میں روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جو لب ندارد۔ تین بار دستک دینے کے بعد اس نے آخر کار پینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ لیکن فوراً ہی تاریچ روشن نہیں روشن کی۔ کمرے میں اندر ہرے اور سائٹے کا راج تھا۔

اس نے تاریچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین کا لاش پر تھم گیا۔ فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنٹیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔

فریدی نے سوچ کر بورڈ تلاش کر کے روشنی کی۔

فلیٹ میں تمن کرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے سی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

انھیں میں پولیس میں بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے اپنے دیتا تو وہ پکرا کر گر بی پڑتا۔

”جاؤ..... جلدی.....!“ فریدی اس کا شانہ تھکتا ہوا بولا۔ ”کتوالی فون کر دو..... کہہ دینا نہیں موجود ہوں۔“

کاشیبل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیک کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک دہال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ فریدی نے اسے ہوٹل میں اس سے پیسہ خٹک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا صاف کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار بھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے محبوس کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔ فزار کے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا۔ اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کئے ہوں گے۔ فریدی نے اس کا پینڈل بیک فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں۔ اور ایک لفاف۔ غالباً یہ وہی لفاف تھا جو ہوٹل ڈی فرانس کے ایک ویٹر نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطرب بات انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا۔ جس پر تحریر تھا۔

”ایک جا سوں تمہارا پیچھا کر رہا تھا..... تم فوراً تھارن مل بلڈنگ پہنچو۔“

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہو گئی۔ مجرم انجامی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی مشتبہ آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے اس بھانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کر دیا۔

تمہوزی دیر بعد پولیس آگئی اور پوری عمارت کا حصارہ کر لیا گیا۔ حالانکہ یہ فضول ہی کارروائی تھی۔ لیکن روز ناچیخ کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

وائسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کئے۔ اس کی تاریخ روشن تھی اور وہ خیالات میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ تاریخ کی روشنی ایک مزترتے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے بھک کر اسے اٹھایا۔ خون دھبؤں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر لکھا تھا۔ ”گول میز“ اور اس پر تھوڑے فاصلے پر ”سوچ بورڈ“ تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر ”چوتھی میز“ لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اجیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی انگلیوں کے نشانات بالکل صاف تھے۔

تجھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ اس ویٹر کو تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس نے لورین کو خط دیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ زیادہ کار آمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اس نے کام کی اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کئے تھے۔ ویٹر انگریز کا حلیہ نہیں بتاسکا اور اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گاہوں میں سے تو نہیں میں سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے حید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے جو اطلاع دی وہ حیرت انگیز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔

”یہجر نصرت کا پیغام ہے۔“ حید نے کہا۔ ”شیزان ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیں پچھلے بخ سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔“

گول میز

دوسرے دن فریدی اور حید چند دوسرے آفیروں کے ساتھ صہافی کے نجی دفتر میں کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قتل موضوع گفتگو بیانا ہوا تھا۔

”کل اس بیچاری نے ہماری بڑی مدد کی تھی۔“ ایک آفسر نے کہا اور پھر وہ اس بیچاری سے کہنے پر آت آئے۔

”اس قتل کا تصور ہی برا بھیاں کہ ہے۔“ دوسرے نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آپ نہیں باہر نکل پڑی تھیں..... آپ کے رو تکھے تو کھڑے ہو گئے ہوں گے فریدی صاحب۔“

”اگر میرے جسم پر کھڑے ہو جانے والے رو نگئے ہوتے تو میں کسی یونیورسٹی میں لٹریچر کا فیسر ہوتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میر و غالب یا کیش اور ورد سورج میں سرمادتا۔“

پھر فریدی کے کارنا موں کے متعلق بتائیں چھڑ گئیں۔

”بھی وہ جی�الہ شاستری کے والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکے۔“ ایک

فیسر دوران گفتگو میں بولا۔

”وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہترے تو ان کی پیدائش کے

حریتے کوئی غپ سمجھتے ہیں۔ کئی اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ فریدی کا نیا گفتگو فدہ ہے۔

جس کے ذریعے وہ سائنسدانوں میں سننی پھیلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت ہی معنوی سی

بات تھی۔“

میں مانتا ہوں کہ مشینوں کے ذریعے مجرے عمل میں آتے ہیں۔“ آفسر بولا۔ ”لیکن

ایک چھوٹے سے بندرا کا منشوں میں ایک گرائیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہو جاتا سمجھ میں

آنے والی بات نہیں۔

” مجرے سمجھ میں آ جائیں تو انہیں مجرے کون کہے گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”میں تو غپ ہی سمجھوں گا..... آدمی کے نہیں سے پچھے کو بڑھنے کے لئے میں سال درکار

ہوتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”پانی کو جنتے کے لئے سٹھ سمندر سے ایک مخصوص

بلندی درکار ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مگر

جون کی بعد یہ گرمی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمالیہ کی چوٹی سے حاصل کی جاتی

ہے یانڈر اک میداںوں سے؟ کیا برف جانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نقطہ انجداد تک نہیں پہنچا دیتی۔“

”لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کر سکتی۔“ آفیسر بولا۔

”ٹھیک ہے..... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جرالڈ کی مشینوں کے ذریعے دو آدمیوں کے جسم اس بندر کے جزو بدن ہوتے تھے تب وہ ایک بن ماں کی شکل اختیار کرتا تھا۔“

”تب تو اس طرح آدمی کا پچھی بھی منٹوں میں جوان ہو سکتا ہے۔“

”قطیعی ہو سکتا ہے لیکن ذہنی حالت پچوں کی سی ہو گی۔ کیونکہ ذہنی نشوونما کا تعلق تجربات سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم بیس ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیے یہ ایک الگ بحث ہے۔ آپ کو بندروں کے بڑھنے پر اعتراض ہے۔ اچھا یہ بتائیے کہ آدمی کا پچھی بیس سال میں کیسے بڑھتا ہے۔“

”اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔“ حمید آہستہ سے بڑی بڑی۔ اس پر ایک زور دار تھہہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔

”اس میں قوت نہ ہوتی ہے۔“ اس آفیسر نے کہا جس نے بحث چھیڑی تھی۔

”قوت نہ کیا چیز ہوتی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بھی میں نے زیادہ سائنس نہیں پڑھی۔“ آفیسر بولا۔

”قوت نہ اصل حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ صلاحیت انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اثر انداز ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ بہر حال وہ ریشے میں سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کو دیتے ہیں۔ میں سال میں آدمی کا قد قریب قریب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہیں رہتے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا داروں اور غذاء پر ہے۔ اب آئیے بندر کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تیار شدہ

یہ التی ہے اور وہ سالہا سال کی نشوونما کے عمل کو ایک جست میں طے کر لیتا ہے۔“

”دیکھئے آپ نے بھی یہاں سے جست لگائی۔“ آفیسر ہنس کر بولا۔ ”بندر اور آدمی کی

نوعیت میں فرق ہے۔ بھلا بندر کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قول کر لے گا۔“

”بالکل اسی طرح جتاب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندر کے غدوں کا آپریشن قول کر لیتا ہے۔“

”مہیزہ بیس.....!“ ایک دوسرے آفیسر نے تالی بجا کر تھہہ لگایا۔ ”ختم کرو یار..... تم فریدی سے باتوں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر کے مقامیں چاٹتے پھریں۔“

”فرصت پیدا کی جاتی ہے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد یہوی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساٹھ کتے ہیں۔ ساڑھے تین سو کے قریب سانپ ہیں درجنوں پرندے ہیں۔“

”لیکن انہوں ایک یہوی نہیں پالی جاتی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ اور پھر سب بہتے لگے۔ فریدی کا تھہہ سب پر حاوی تھا۔

”اچھا بس بس.....!“ ایک بوڑھا آفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہاں کی کنوارے بھی ہیں..... انہیں بدلنے نہ کرو۔“

”میں تو براہ ہوں چکا۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر سب بہتے گئے۔

”پار کام نہیاں.....!“ بوڑھے نے کہا۔ ”میں تو اس کمکھی مار کام سے عاجز ہو چکا ہوں۔“ فریدی ایک دوسری الماری کھونے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیر اس گول میز سے کھڑکیا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے گھماتے چوک کر رہا گیا۔ وہ حرمت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنمیں بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

اسے اٹھانا چاہا تو اسے محسوں ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تاب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختہ کے نیچے ہاتھ ڈالا..... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے لکرایا ہی تھا کہ ایک بیلی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلک فرش پر گر پڑا۔

”گول میز.....!“ فریدی آہستہ سے بڑھا۔ اسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آ گیا جو اسے تھارن ہل بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہینڈ بیک کی طرف چھپتا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جنم گئی تھیں۔ ”گول میز“، ”سوچ بورڈ“، ”چچھی میز“ اس نے چاروں طرف ایک اچھی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ وہ اس آفس کا نقشہ تھا۔ اس نے سوچ بورڈ پر نظریں جمادیں جو گول میز کے اوپری ہی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگئے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلک اٹھا کر سوچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً انہیں ہلکی ہی گھرگھرا ہٹ سائی دی اور ایک قریبی میز پر بیٹھا ہوا آفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تاریک خلاء تھی۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ سب لوگ بیک وقت پچھنے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوچ بورڈ پر ہاتھ رکھ کر امسک رہا تھا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا۔“ اس نے نہ کہا۔ ”مجھے ساتھ نہ لجھے ورنہ کام بڑھ جائے گا۔“

”آخر یہ ہے کیا.....؟“ بوڑھے آفیسر نے پوچھا۔ فریدی نے جواب دینے کی بجائے سوچ بورڈ سے پلک نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

”یہ غالباً کوئی میکانی تھہ خانہ ہے۔“ فریدی نے کہا اور پھر پلک لگا دیا۔ تھہ خانے کا راستہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تھہ خانے میں اترے اس کا بیان محل ہے۔ انہیں وہاں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گھرے تھکر کی لکیریں تھیں۔

”ارے یہ کیا.....؟“ ان میں سے ایک آفیسر الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے اسے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

”میرے خدا.....!“ اٹھانے والے کے منہ سے ایک تحریر آمیز جیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونٹ سے کسی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گھری سانس لی..... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیسر کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میگریاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی۔ حمید کو لے کر باہر نکل گیا۔

”چوتھو ہو گئی بیٹھے حمید۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

”کیوں.....؟“

”وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہی ہوں گی۔“

”یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔“

”مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا ضمون یاد کرو..... یہی تو تھا..... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی کسی ایک پرٹ کو ہیجھو۔“

”تو اس سے کیا.....؟“

”الماری کا میکنزم بڑا چیزیدہ ہے۔ وہ اسے کھول نہ سکی ہو گی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔“

”لیکن آپ نے یک بیک تہہ خانہ کیسے دریافت کر لیا۔“

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ ”وہ خون آلود کاغذ کا گلرا جو مجھے تھارن مل بلڈنگ سے ملا تھا..... اس پر دراصل اسی تہہ خانے کا نقش تھا ہو سکتا ہے کہ یہ نقش خود اور یعنی نے ہی تیار کیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ لورین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھایا ہی ہو..... لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جواب دھی..... جسے اس نے ہار دیا تھا ہو سکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو..... ورنہ وہ آسانی سے اسے نقش نہ دیتی۔“

”نہ دیتی..... کمال کرتے ہیں آپ بھی..... ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد نقش حاصل کیا ہوگا۔“

”ناممکن.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”نقش پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اسے نقش یاد آگیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر کیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقش جیب میں ہی گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقش اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے زینے تک نہ آتا۔ شاید نقش اس کے کوٹ کی اندر وہی جیب میں ہوتا۔ وہ نقش کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اسی لئے اس نے اسے اتنی لاپرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ نہیں فرزند..... وہ یقیناً براؤن ہی تھا..... اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے چیچے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خرچیں ہوتی ہیں۔“

”تو کیا صدائی کا قاتل محض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔“ حیدر نے کہا۔

”یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہر حال اس کی مستند خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صدائی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔“

حیدر چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”مگر وہ براؤن..... شیزان ہوئی میں تو اس نام کا کوئی

آدمی بھی تھا نہیں۔“

”اور اسی بناء پر میں یہ مجھنے پر مجبور ہوں کہ شیزان ہوئی اس کا مستقل اڈہ ہے۔“

”چلے کچھ تو سراغ ملا.....!“ حیدر طویل سانس لے کر بولا۔

”ہم ان واقعات کافی المال کی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔“

”لیکن تہہ خانہ..... وہ ایسٹ..... اسے تو سب نے دیکھا ہے۔“

”فکر نہ کرو..... انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دچپ پ کہانیاں نظر آئیں گی۔“

فریدی کا خیال درست تھا۔ اسی شام کے اخبارات میں صدائی کے پرائیورٹ خفیر تھے تھے خانے کے متعلق نت نتی کہانیاں نظر آئیں یہیں لیکن خالی الماری اور سونے کی اینٹ کے بارے میں قریب قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چیزیں بات نہیں تھیں۔ ایک معمولی ذہانت کا آدمی بھی اس کے متعلق یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہو گی اور اسے صدائی کے بجائے کسی دوسرے ہی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک ایسٹ اس طرح سے نہ رہ جاتی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک جیز ایکٹشاف ہوا۔ لیکن اسے حالات کے اعتبار سے غیر متوقع بھی کہا جاسکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آگئی۔ ایک مجسٹریٹ نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صدائی کے سول میرج کے سڑکیٹ پر دھنٹک کئے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صدائی اس شادی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی دریافت پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی پچویشن پر بڑی دری سے غور کر رہا تھا..... اور سرجنت حیدر نے اپنے ذہن کو بالکل چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تمباکو نوشی کا پاپ دہانا سیکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دوبار اس نے جلا کر بکرے کے منہ پر تھپڑ بھی مارے اور جب بالکل ہی عگ آگیا تو اسے ایک لات رسید کر کے

فریدی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آگئی۔ فریدی ہے بعد دیگرے لفافے کھولتا رہا اور پھر اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ میں طرف بڑھایا۔

سفری کا نزد پر ایک مختصر تحریر ناپ کی ہوئی تھی۔

”اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور
ٹاگ اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔

براؤن۔“

جید فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

انور اور آصف

کرامر پورٹر انور نے انگریزی می اور چادر کو پیروں سے اچھال کر اٹھ بیٹھا۔ اٹھنے پکھے تھے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بو جھ سے دلبی جا رہی تھیں۔ اس نے سربانے والی ٹپی سے سگریٹ کا ذبہ اٹھایا اور سگریٹ کو ہونتوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا کہ رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

”تم نے بُری طرح اپنی گردن پھنسالی ہے..... سمجھے۔“ اس نے دھیکی آواز میں غصہ سے کہا۔

”کوئی نئی بات کرو..... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔“ انور نے سگریٹ سٹھا کر دیا۔ یہ سلامی میز پر اچھال دی۔

”آصف انتظار کر رہا ہے۔“

”جھک مارنے دو اسے۔“

بولा۔ ”سالے تم بکرے ہو اور ہمیشہ بکرے ہی رہو گے۔ میں تمہیں کسی طرح بھی ریاضی کا پروفیسر نہیں بناسکوں گا۔“

فریدی کو بے ساختہ بھی آگئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حید لامکھ غیر سنجیدہ سکی لیکن بارہا کے تجربات شہید تھے کہ اس کی بے تکلی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر گھیوں کا حل مل گیا تھا۔

تحوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حید بیرونی برآمدے میں تھا اور شاید اب پہلے کی طرح غیر سنجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی اور یہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”اس نئی دریافت کی بناء پر کس اور زیادہ الجھ گیا ہے۔“ فریدی ہے کہ لورین مجرموں کی آنکھیں تھیں لیکن اس صورت میں اس کا قتل صمدانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ تاریکی میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حصول دولت خاتو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جرم اس کے ذریعے صرف اس الماری تک پہنچتا چاہتے تھے تو پھر آخر صمدانی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی یوں ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راستے واقف ہو جاتی۔“

”واقعی صمدانی کے قتل کا مقصد اس اکشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔“ حید نے کہا۔ ”اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیت لکھتے تھے بلکہ صمدانی کے پورے کاروبار پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔“

”اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صمدانی کا خیال ذہن سے نکال دینے پر بجھوڑ ہو گیا ہوں۔“

”اس کی رائے میں نہیں دوں گا۔“ حید بولا۔

”میں نے لفظی فی الحال استعمال کیا ہے۔ ویسے وہ میری لست پر موجود ہے۔“

”تم ہی مجھے چھوڑو دو گے تو پھر پوچھے کون۔“ انور نے سرت کا اظہار کرتے ہوئے

”ہم نے ابھی تک ناشہ نہیں کیا۔“

”میرے پاس ہھٹریاں ہیں..... سمجھے۔“

”تمہارے پاس ہھٹریاں ہیں..... سمجھا!“

”مجھے موڑ سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔“ آصف غرامی۔

”اچھے آدمی بڑی باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شخ سندی نے فرمایا ہے.....“

”میں یہاں وقت برپا کرنے نہیں آیا ہوں۔“ آصف نے جلا کر بات کاٹ دی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔“

”تم نے صدمانی کا تعاقب کیوں کیا تھا.....؟“

”اوہو..... انور سنجیدگی سے بولا۔“ تو تم اس لئے آئے ہو۔“

آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھوڑا رہا۔

”میں خود تمہاری تلاش میں تھا.....!“ انور پھر بولا۔ ”میرے پاس چند قسمی معلومات ہیں۔“

”کیا.....؟“ آصف کے چہرے کی ختنی یک بہیک دوہوٹی۔ لیکن یہ قطعی غیر ارادی طور

پر ہوا تھا کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہی پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

”نیچے چلتے ہیں..... وہیں باتمیں ہوں گی۔“ انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے

کی طرف دیکھنے لگا۔

رشیدہ کھڑی ہوئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیر ارادی طور پر ہوا تھا

انور نے آصف کے چہرے پر چلکچاہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار

میں تیزی آگئی تھی۔

باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مقفل کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک

رستوران میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ

وہ ان کا ساتھ دے۔

”اس کی جیب میں ہھٹریاں ہیں۔“

”اوہ.....!“ انور نکلا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔ ”تو مجھے چھانی ہو جائے گی۔“

”دیکھو کہ اس مت کرو..... ایسے موقع پر اس سے ہھٹریاں مول لیتا۔“

”فکر نہ کرو۔“ انور نے پلٹگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوٹھ پیٹھ اور برش اخہارت

ہوئے کہا۔

”میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمازے ناشتے کا انتظام کرے گا..... سمجھیں۔“

دوسرے کمرے میں اپنکا آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے نکل پہنچنے کیلئے اس کمرے سے گزرا ضروری تھا۔ انور نے بڑے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آصف

نے اپنے چہرے پر ختنی کے آثار پیدا کر کر تھے تھے۔ وہ کلک دیجے ہوئے کالر کی طرح اکاراہا۔

”میں ایک منٹ میں آیا۔“ انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف کے سامنے والی کری پر بیٹھ گئی۔ اسے توقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران پکھنہ پکھنے بولے گا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔

انور غسل خانے سے آئے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند لمحے

بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ ”آج کل میں پکھ جسین ہوتا جا رہا ہوں کیوں؟“

”جیل میں کبھی جام سے ملاقات نہیں ہوتی۔“ آصف اسے گھوڑ کر بولا۔

”یہ بہت بڑی عادت ہے..... میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون لکھنے والا ہوں۔“

”شاہید وہ جیل ہی میں عمل ہو۔“

”کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“

”ہمیں ضمول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔“ آصف بولا۔ ”اس بار تمہیں کسی طرح نہیں

چھوڑ سکتا۔“

ہی تھی۔”

”لیکن تھارن مل بلڈنگ سے اس کا کیا تعلق.....؟“

”ارے تعلق تم معلوم کرو..... یہ پولیس کا کام ہے۔“

”لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔“ آصف نے کہا۔

”تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔“ آصف نے کہا۔

”تھارن مل بلڈنگ کا کرایہ میں ہی وصول کرتا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگریٹ سلاگا نے وہ ناشستہ ختم کر چکے تھے۔

”تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔“

”اور کیا بتاؤں۔“

”دیکھو میں چیج تھیں بند کرا دوں گا۔“

”ابھی تک تو کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا۔“

میں نے ایسے گواہ مہیا کر لئے ہیں جنہوں نے تمہیں صمدانی کی کارکاتا قاب کرتے دیکھا تھا۔

”میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ” غالباً اس خبر سے لیڈی فریدی کو بھی خوشی ہو گی۔“

رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے جرأت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا پیرو و دعطا پچکا پڑ گیا تھا۔ سگریٹ کا ذپہ کھولتے وقت اس کا ہاتھ کا پتنے لگا۔

پھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ”تم دمکیوں میں نہیں آؤ گے۔“

”ظاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ..... کیا فریدی کی چیج یورپ جائے گا۔“ آصف نے پوچھا۔

”کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ یہ خرکل شام ہی پریس میں پہنچ گئی تھی۔“

”مجھے یقین نہیں ہے۔“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اگر تم فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔“ انور

ٹنک لجھے میں بولا۔

انور نے ایک لمبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا روایہ آصف کے ساتھ بڑا دوستائے تھا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا جیسا آصف۔“ انور نے کہا۔ ”کہ اس کیس میں تمہارے ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔“

”بڑی مرہبائی۔“ آصف طنزیہ لجھے میں بولا۔ ”لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہئے۔“

”تمہیں میرے خلوص پر کبھی یقین نہ آئے گا۔“

”کام کی باتیں کرو.....!“ آصف اپنی پیالی میں شکر گھوٹا ہوا بولا۔

”پہلے تو جنادوں کے موڑ سائیکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔ اگر یہاں کسی پولیس والے نے مجھے چھانے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تیج ہو جائے گی۔“

”چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں..... تم ہمیشہ یہی ملتے رہتے ہو۔“

”اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان ہی سے نہیں کہا۔“

”خیر..... خیر..... وہ اطلاعات کیا تھیں۔“

”پہلی تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔“

”اڑنے لگے۔“ آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صمدانی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کرنے والے ہیں۔“

”آسے تو بس بہانہ چاہئے۔“ آصف بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ ”اسی بہانے مفت کی تفریق ہاتھ آئے گی۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا الحکم برداشت کرے گا۔“ انور نے کہا۔

”جہنم میں ڈالو..... تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔“

”ہمیں کہ اس کا تعلق سجاد صمدانی سے ہو سکتا ہے۔“

”اور لوہین کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔“ آصف نے کہا۔

”وہ سجاد ہی نے کرایا ہو گا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہو چکی ہے کہ وہ صمدانی کی

”اور اسی لئے وہ سیدھا ہو گیا۔“ انور نے کہا۔ ”اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی اپنے میں سمجھ سکتا ہوں۔“

کچھ دریتک خاموشی رہی پھر انور بولا۔ ”میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔“
”کیوں.....؟“

”مجھے کام مل گیا ہے..... اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔“
”کیا کام.....؟“

”سبجاد صدماںی کا جزل نیجرا چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کی تقیش کروں۔“
”آخروہ کیوں چاہتا ہے۔“

”کیوں؟ کیا سجاد کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صدماںی کا سارا کاروبار اس کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔ اس لئے جزل نیجرا کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔“

”لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے مکارا پڑے گا۔“

”اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجاد یا اس کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہو جاؤں گا۔“

”تو کیا فریدی صاحب سچ نجی یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔“
”پہنچنے!“

”تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔“
”ضروری نہیں سمجھتا۔“

”ارے یہ کجھت کہاں سے آمرا۔“ رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
قاسم سڑک پار کر کے رستوران کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے انور اور رشیدہ کو یہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید انور کے قلیٹ میں گایا تھا اور اسے معقل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی۔

”مجھے اس سے کیا سروکار..... میں دراصل یہ جانا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ناگز کیوں اڑاتے پھر رہے ہو۔“

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موڑ سائیکل کے چور کو پکڑ سکوں۔“

”مجھے قیامت تک یقین نہ آئے گا کہ وہ چراں گئی ہے۔“

”اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق نزید گفتگو کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔“

”تحوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔“ تم یہ سن کھننا کہ تم نے مجھے چھانس کر چائے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔“

”روز صحیح آ کر دھمکا جایا کرو بیارے۔“ انور نے بڑی حاجت سے کہا اور رشیدہ نہیں پڑی۔ آصف بھی کھسپانی بھی بھیں رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے ادھر ادھر کی باتیں چھین دیں۔ رشیدہ کو سخت حرمت تھی کہ یہک بیک وہ سیدھا کیوں ہو گیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامر زمی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔

آصف نے مل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کاروباروتا ہوا اٹھ گیا۔
انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی میٹھے رہے۔

”کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامر زمی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہو گئی تھی۔“
”لیکن کیوں.....!“

”لیڈی فرامر زمی کو جانتی ہو۔“
”نہیں.....!“

”ایک ماں دار یوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساقط کرایا تھا۔“
”ارے..... یہ آصف.....!“

”تم غلط سمجھیں..... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامر زمی کا دوست ہے۔“
”خداعارت کرے۔“

”یہ کیا مصیبت آگئی۔“ انور بڑا بڑا۔

”اخاہ..... آپ لوگ یہاں ہیں۔“ قاسم نے دروازہ علی سے ہاٹک لگائی اور دوسرے لوگ چونکر اسے گھوننے لگے۔

جب وہ کری کھنچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ ”یا تم کچھ دنوں کے لئے ہم سے علیحدہ ہی رہو۔“

”کیوں.....؟“

”ابھی یہاں کوئی پولیس کو اس گرانڈیل آدمی کی علاش ہے۔“

”تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔“

”ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔“

”ذرما آہستہ.....!“ انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

”قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔“ رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ ”اگر تم کہو تو وہ گھر سے نکلا بھی چھوڑ دیں گے۔“

”ابھی ابھی ایک سی۔ آئی۔ ڈی انپکٹر یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔“ انور بولا۔

”تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔“ قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر خشنٹی سانس لی۔

”عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔“

”حید کو معلوم ہو گیا ہے۔“ قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

”فکر نہ کرو..... وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔“

قاسم بادل نا خواستہ اٹھا تھا اور لڑکھڑا ہوا ریستوران سے نکل گیا۔

انور اسے جاتے دیکھا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ”واقعی میں بہت بڑا احمق ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگائی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔“

”تم گدھے ہو۔“ رشیدہ جھینپ کر بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انور نے کہا۔ ”میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔“

”کیوں..... رام گڑھ کیوں؟“

”میرا خیال ہے کہ وہیں بد معاشوں کا ہیڈ کوارٹر ہے..... لورین نے قتل ہونے سے چند نئے پیشتر رام گڑھ میں شیران ہوٹل کے پتے پر ایک تار روانہ کیا تھا۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“

بس معلوم ہو گیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی صاحب نے کوئی تار چھکنوں کے لئے روکایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جا کر دیکھا۔ کسی کرچیانا نے تھارن میں بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن میں بلڈنگ کے اسی فلیٹ میں لورین کی لاش میں جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ”کرچیانا“ لورین نی ہو سکتی تھی..... تار کسی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا..... میں وہاں پہنچ گئی۔

”اول لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتی..... کسی ایکسپرٹ ملکینک کو بھیجو۔“

”پھر تم نے اخبارات میں صدائی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا رہا گا..... اور وہ سونے کی امانت..... خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا مکفرم بڑا پیچیدہ خیال کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہو سکتا ہے لورین نے اسی الماری کو کھولنے کے لئے کسی ایکسپرٹ ملکینک کو طلب کیا ہو۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہو گا۔“

رشیدہ نے کہا۔

”یہ مسئلہ غور طلب ہے۔“

”خبر..... میں بھی چلوں گی..... اس طرح میں اس حیرت انگیز بجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔“

”کس حیرت انگیز بجوبے کو۔“

”اوہو..... یہ خرچور یہ یو پر بھی آئی تھی۔“

”کون سی خبر.....؟“

”رام گڑھ عی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریڑھ کی ٹڈی پر کمر سے گردن تک گھوٹے کی یاں کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں عی کی طرح گھاس چڑھا ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکوئی نہیں سکا۔“
 ”بنڈل.....!“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”مرے سے بکواس..... ایک اخبار سے مسلک ہونے کے باوجود دا بھی تک ان لغויות پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی گھبلوں کو ایسی ہی خیرت انگیز خربوں سے نہیں بھرتے..... چار پیروں والا چوزہ..... ہاتھی نے اٹھے دیئے..... لا طین بولنے والا گدھا..... وغیرہ وغیرہ۔“

خوفناک چہرہ

حید بالکنی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا مظہر دیکھ رہا تھا۔ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔ اسے خوشی کہ فریدی سے دورہ کر قفرتع کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اسے تھاہی اس نام پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حید اسے تشیع اوقات ہی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑ سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ یورپ جانا پسند کرے گا۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی ٹلاش..... اور وہ بھی کسی شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک برا عظم میں۔ بڑا احتقانہ خیال تھا اور پھر آخ رسجاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اسے تو صرف اس پراسرار اگریز براؤن کی ٹلاش ہوئی چاہئے تھی جو سازش کا سراغن تھا۔ اگر بغرض چالا فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آجائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا ہو۔

”یہاں بات حید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔“

حید یہ بھی سورج رہا تھا کہ ہو سکتا ہے فریدی کم سے کم وقت میں اس کیس کو نپھانا چاہتا ہو۔ اسی لئے خود سجاد کی ٹلاش میں جا رہا ہوا اور اسے براؤن کے لئے رام گڑھ پہنچ دیا ہو۔ مگر ہوال تو یہ تھا کہ کیا سجاد عی قتل کی سازش کا محرك ہو سکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم نکتہ اس کی تردید کر دیتا تھا۔ اگر ان حادثات میں سجاد ہی کا ہاتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سٹ اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ فضول اور بے مصرف..... ظاہر ہے کہ سجاد صدائی کے ترکے کیلئے لورین کیوں آلہ کار بنائی گئی اور پھر چوری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قاتلوں کو صرف اس الماری کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کر دیا۔ لورین صدائی کی یوں تھی اور قانون صدائی کے ترکے کے کچھ حصے کی ماںک بھی ہو سکتی تھی۔ بہر حال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الداعی کی دلیل نہیں تھی۔ حید کی دانست میں صدائی کا قتل صرف سونے کی اینٹوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لبریے نظر آنے لگے۔ حید بار بار پر کہیاں لیئے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الحلقہ آدمی کے تذکرے ستارہ رہا تھا جو ارجمن گھٹائی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کی یاں کے سے بال ہیں اور جو خود کو حضرت سلیمان کا گھوڑا کہتا ہے اور زیادہ تر گزری ہوئی فرانسیسی زبان بولتا ہے۔

حید نے کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غب سے زیادہ وقت نہ دی تھی اور اب بھی اسے غب ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو ”چشم دیا“ واقعات دہراتے سنا تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایسے لوگ جب اپنی داستان کوئی نکلفن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر ”چشم دیا“ کا لیبل چپکاتے در نہیں لگتی۔

”صرف ایک پتوں۔“ لڑکی کاندھے سے تھیلا اور تھر ماس اتارتی ہوئی بولی۔ ”کھٹکی بیکی پتوں۔ پیشہ نگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کمرے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔ می..... دیوبے دیوبے..... ایسے ابھرے ہوئے مسلس میں نے آج تک نہیں دیکھے۔“

”گھاس چرتا ہے۔“ بوزہمی نے پوچھا۔

”ہاں میں..... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اف نو..... کئی آدمی اس کے پیچھے دوڑتے تھے۔ مگر اسے نہ پاسکے۔ وہ پہاڑیوں پر اس طرح دوڑتا ہے جیسے سپاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔“

”کیا وہ پاپ بھی پیتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

لڑکیاں فس پڑیں۔ لیکن بوزہمی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑ بڑا گیا۔

”دخل دھی کی معافی چاہتا ہوں.....“ حمید نے مودباہ کہا۔ ”بات یہ ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔“

”ضرور دیکھئے۔“ وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی آنکھیں جوش سے چکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے پرواہ ہو۔ علاوہ ہٹتے ہوئے ہونٹوں کے۔

”میں ضرور دیکھوں گا.....“ حمید نے کہا اور وہاں سے ہٹتے ہی جانے میں عافیت بھی کیونکہ بوزہمی عورت اسے اچھی نظر دیں۔

حمد کو بے ساختہ اپنا بکرایا آگیا۔ اگر برخوردار بغرا خال ہوتا تو یہ بوزہمی بھی اس میں لچکی لینے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو رقص گاہ میں حمید رشیدہ سے مکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے وہ منٹائی ہوئی آواز میں شروع سے آخر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی۔ جو بلا حل و جutt متکور کر لی گئی۔ حمید نے رقص کے فرش پر ہکوڑے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ بیہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں سے تھا اور اونچے ہی طبقے کے لوگ بیہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت لڑکیاں آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے لہریے گھرے ہوتے جا رہے تھے اور ڈھلوانوں میں رینگے لگے تھے۔

دفعتہ حمید چونک پڑا۔ ہوٹل کی کپاؤٹ میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور رشیدہ اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حرمت اگریز بھی تھی۔ حمید تیزی سے یئی آیا۔ ہال میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچے وہ دونوں تھے۔ وہ دونوں حمید کے قریب ہے گزر کر کاوبٹر کلر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اسے نہیں پہچانا کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام کیپشن پر کاش لکھا تھا۔

حمد ابھیں میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں بیہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو برا دن کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے اس سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دستخط کئے اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا۔ اتنے میں دو لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کانڈھوں سے ناشتے کے تھیلے اور تھر ماس لکھا رکھے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح بھی دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوزہمی عورت ان کی طرف بڑھی۔

”اوہ می.....!“ ان میں سے ایک بولی۔ ”بالکل حق ہے! ہم نے اسے دیکھا..... گھاس چرتے دیکھا..... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اوپھی اوپھی چٹانوں پر چھٹا چلا جاتا ہے۔“ وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

”کیا وہ کچڑے نہیں پہنتا۔“ بوزہمی نے پوچھا۔

”کہیں الہمنان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔“ حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی بڑپڑ چلے گئے۔

”بڑی عمدہ ترکیب تھی۔“ حمید نے کہا۔ ”میں ڈرائی جن کی آدمی بوتل میں اتنا ہی عرق نہیں ملا کہ بوتل پر عرق بصفی کا لیبل چکا دیا کرتا تھا اور بوتل اعلانیہ میرے کمرے میں رکھی تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔“

لڑکیاں ہنگلیں..... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔
”ایک بوتل شیری..... اور ایک لارج وسکی..... اسکاچ لانا۔“
”نہیں..... نہیں!“ ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

”آپ بڑی دیقا نوی معلوم ہوتی ہیں۔“ حمید نے کہا وہ لڑکی کی کچھ نہ بولی۔
تحوڑی دیر بعد تینوں شغل کر رہے تھے۔

حمدیکو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہو۔
بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قبیچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف دوسرا لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گھونٹ اتارتے وقت ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مارمار کراستے پلا رہا ہو۔

”کیا آپ پہلی بار پر رعنی ہیں؟“ حمید نے پوچھا۔
”نہیں..... دوسرا بار..... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”واہ ڈیزرسٹ!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”آپ انیش تو لونہیں رعنی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔“
حمدیکبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے گفتگو میں مشغول تھا لیکن حقیقت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پڑھیں۔

حمدی نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شہمہ ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریبی نے یہاں نہ بھیجا ہو گا۔ پھر آخر اس کی موجودگی کا مطلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موڑ سائکل کی چوری کی داستان گزھی تھی۔ لیکن پھر دوسرا طرف

”کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں؟“

”کیا آپ نے دیکھا ہے۔“ رشیدہ نے سوال کیا۔

”جی ہاں مجھے بہت سی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔“

”کیا وہ باقی بھی کرتا ہے۔“

”جی ہاں..... بالکل اخبار کے روپ روٹوں کی طرح بڑنگ کرتا ہے۔“

اس بات پر رشیدہ بڑی طرح چونکی اور پچھے مضطرب تی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف ”ہاں..... ہوں“ کرتی رہی اور پھر راؤ غلام ختم ہوتے ہی وہ تیر کی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے بھکھیوں سے دیکھا کہ انور اسے بڑی طرح گھور رہا تھا۔ وہ شراب کے کاؤنٹر کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جو شام کو حضرت سلیمان کے گھوڑے کی ”زیارت“ کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رعنی تھی۔ ”اگر آٹھی آگئی تو۔“

”نہیں وہ نہیں آئیں گی۔“ دوسری نے کہا۔ ”میں انہیں دوادے کر آئی ہوں۔ دو اپی کر وہ سوچاتی ہیں۔ لس ڈار لنگ تھوڑی سی..... اتنی کہ سرو را جائے۔“

”نہیں..... نہیں!“

”بڑی ڈرپوک ہوتا!“ دوسری بولی۔ ”شیری میں تو بالکل نہیں ہوتا..... بس ہلا سا سرور۔“

”شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”دووں چوک کر مڑیں اور پھر چینپی ہوئی ہمی ہننے لگیں۔“

”میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باب کے سامنے پیتا تھا..... اور انہیں آج تک نہ معلوم ہو سکا۔“

”کیسے!“ اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

س رہا تھا۔
اس راؤٹ کے اختتام پر اس نے انور اور شیدہ کو قص گاہ سے جاتے دیکھا۔

بہر حال اس سے حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ ضرور کسی چکر میں ہیں۔ کیا یہاں ان کی جگہ کا بھی وہی سبب ہے جو اس کی موجودگی کا تھا۔ لیکن آخر کس طرح۔ انور اتنا مال دار نہیں تھا کہ محض سراغ رسانی کے شوق میں شیراز ہوٹل جیسی جگہ قیام کرتا۔ اگر فریدی کی ایمان پر یاں آیا ہوتا تو کم از کم اس کے حال سے ضرور واقف ہوتا اور اس طرح بھاگنے کی بجائے اس سے الجھ پڑتا۔ تو کیا وہ مجرموں کے لئے کام کر رہا تھا.....؟ اس سوال کا جواب اس کا ذہن ثابت میں نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا کہ انور کم از کم فریدی کا راستہ کائیں کی جوأت نہیں کر سکتا۔
جیسے اس کی ساری تفریخ غارت ہو چکی تھی اور وہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے ان دونوں لڑکوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن شیری کے دوسرے گلاسوں نے انہیں آسمان پر پہنچا دیا اور اب تو خاموش طین سونیا بھی چکنے کے موڈ میں آگئی تھی۔

”ڈیرست ہی.....“ وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالے کہہ رہی تھی۔ ”میں چاندنی ہوں..... اور تم سائبان.....!“
”نہیں میں چار دیواری ہوں۔“ حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کر کے پہنچنے لگی۔

حمدید کو الجھن ہونے لگی۔ نشے میں بیکی ہوئی عورتیں اسے بول گئی تھیں۔
”اب تم اسے قتل بھی کر دو تو اسے کوئی اعتراض نہیں.....!“ کوئی لیا اپنا منہ دبا کر بھنسی۔
حمدید ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ اس نے اس سے قبل انور اور شیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔
حمدید نے لباس تبدیل کیا اور پلٹک پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ و سکی کے پئے تھے اس لئے اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہوا جا رہا تھا..... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا..... انور کے متعلق..... لیکن اسے پلٹک سے اٹھ کر روشنی بھانے کی بھی مہلت تھی..... اور وہ گھری نیند سو گیا۔

اے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنا کار انہ انداز میں جھوٹ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریخ کا سارا مزہ کر کر دیا اور یہ حقیقت اس کے ذہن میں پچوکے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریخ کے لئے نہیں آیا ہے۔
دوسرے راؤٹ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی اور لوگ آہست آہست اٹھ کر فرش کی طرف جا رہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کا اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی۔ شیری کے ایک گلاس نے اسے بہت زیادہ باتوں بنادیا تھا۔

”تمہارا نام کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کوئی نہیں.....!“

”میں تمہیں نیلی کھوں..... برا تو نہ مانو گی۔“

”ہائے..... نیلی.....!“ لڑکی نے سکی سی لی۔ ”نہیں کبھی نہیں۔“

”اور ان کا کیا نام ہے.....“ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ تاچ رہی تھی۔

”سونیا..... وہ میری کزن ہے۔“

”تم بہت اچھی ہو..... سبتر کی راتوں کی طرح خوٹگوار۔“

”تم دببر کی دوپہر کی طرح!“ بھروسہ نہیں پڑی۔

حمدید کو شرارت سو گئی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو مخاطب کیا۔ ”سونیا..... ذرا ہوشیاری سے..... تم زیادہ باشیں کرو گی۔“

سونیا نے نیلی آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاس نے اس کے بھی چودہ طبق روش کر دیئے تھے۔

حمدید انور کے چہرے پر بول کھلاہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

نہیں جیسے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔
”شامیں.....!“ کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی پھیلی
پار سے نکل رہی اور حمید نے پلاسٹر ادھر نے کی آواز صاف تی اور پھر اسے اچھی طرح بُوش
کیا۔ وہ کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف جگلی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرچھ اڑ گئے تھے۔
تھا۔ اگر کوئی ایک اچھا اور نیچے کی طرف جگلی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرچھ اڑ گئے تھے۔
اس کے جسم کے سمات نے بیک وقت بہت ساخنہ اپینہ اگل دیا اور شاید ایک منٹ
تک اس کا ذہن بالکل ہی مغلوب رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے نہانتے کھڑے ہونے کی بہت نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے
نیزب پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے رسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر
رباتی چالا کیا۔ شاید دو منٹ تک بھی کرتا رہا۔ پھر اسے راہداری میں قدموں کی آہٹ سنائی
دی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیوٹی کلر تھا اور
حمدی کی حرکت پر جھلایا ہوا خود ہی درٹ آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور غصہ کے ملے جلے
آثار تھے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جھلے
ہوئے بال اور دیوار کا ادھر اہوا پلاسٹر دکھایا۔

”حیرت..... سخت حیرت.....!“ کلرک پاگلوں کی طرح بڑا بڑا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔
”ویکھنے کپتان صاحب نیڑا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان میں کریں ورنہ دوسرا سے
سافروں پر برداشت پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رسائیں کو لاتا ہوں۔“

”کچھ بھی کرو.....!“ حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ”لیکن مجھے اسی وقت ایک ایسا کمرہ
چاہئے جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔“

”ظہر ہی..... مجھے سوچنے دیجئے..... ہاں بے جگ میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت
دلے سکتا ہوں۔“

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اسے جگا دیا۔ بستر پر لیٹے ہی لیلے
اس نے چاروں طرف نظریں دوڑا کیں..... اور پھر بڑھتی ہوئی خنکی نے اسے کمبل تان لینے پر
مجبوک کر دیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا۔ کھٹ..... کھٹ..... کھٹ..... چڑر.....!
کوئی دوسرا طرف شاند کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی.....؟ حمید ایک جھلکے کے ساتھ اٹھ
بیٹھا..... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتی تھی اور یہ کمرہ تیسری منزل پر تھا۔ نیچے تک
باکل سپاٹ دیوار چلی گئی تھی۔ حمید پنگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زور دار کھٹا کے کے
ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چیرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں
تک پھتا ہوا تھا..... ناک بھی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔
”وڑھے سوئی ہارس دے سالومن لے،“ پھٹے ہوئے ہونتوں سے غرائی ہوئی سی آواز انکلی۔
حمدی کا ہاتھ بے اختیار تکنے کے نیچے گیا جہاں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے
میں وہ چیرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندر ہمیرا تھا..... اس
نے پلٹ کر تارچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پاپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی
تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دل گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین
پر چھلانگ لگادی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندر ہرے میں غائب ہو گیا۔ اس کی نگلی پیشہ پر
گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چٹان

وہ حمید کی تارچ کی روشنی کی پیچنے سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات
یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی قسم

پھر تھوڑی دیر بعد خانگی سراغ رسائی کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرا کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہی گزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تقیش میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نہ کرے۔ ویسے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسری صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہدایات کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اُسے اپنی زندگی ہی سے ہاتھ ڈھونے پڑیں۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اُس سے اس سلسلے پر گفتگو کی جائے۔ میجر نصرت ملکہ سراغ رسائی کا سپرنندہ تھا اور حال ہی میں شیکم گڑھ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔ فریدی کے گھرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپٹن پر کاش کے بھیس میں پچان نہیں سکا۔ اور پھر جب حمید نے بتایا تو اُسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ہابر ہے اور سرائی رسائی کے اُس پر اُن طریقے پر صرف وہی اب تک کار بند ہے لیکن اس میں بھی اس نے کچھ چدمیں کی ہیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا تو میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”وہ آدمی.....!“ اس نے کہا۔ ”ہاں میں نے بھی اسے ارجمندگھائی میں دیکھا ہے۔۔۔۔۔ لیکن..... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہارے ہی کمرے میں کیوں؟“

”آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہو گی۔“

”ہاں..... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے تار کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کر دیا گیا تھا۔“

”سینہ صدائی اور اس کی سیکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔“ حمید نے کہا اور اُس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سیست دہرانے۔

”بماں گذنس.....!“ میجر نصرت انگلی سے اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا بولا۔ ”تب تو ان ہوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی۔“

”کن انہوں کو.....!“

”بھی بات یہ ہے وہ آدمی عجیب الثابت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے پیچھے وڑتے۔۔۔۔۔ لہذا سننے میں آیا ہے کہ اُس کے پیچھے جانے والوں میں سے اکثر واپس نہیں آتے اور انہک تقریباً تین یا چالیس آدمیوں کی گشتنگی کی روپور درج ہو چکی ہے۔“

”آپ نے اُسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔“

”ارے یار..... وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ..... جس حیرت انگریز تیزی سے وہ چنانوں پر ہتا ہے کسی آدمی کے بس کاروگ نہیں۔ لیکن اب ہم اُس پر فائز کریں گے۔“

”کیوں نہ آج ہم اس کی تلاش میں چلیں۔“ حمید نے تجویز پیش کی۔

”قطعی..... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں..... دیے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی نونٹ کو ترک کر دو۔“

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ بے اعلان اس ہوٹل سے ضرور ہے۔“

”اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پیچانا تھا۔“

”حملے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔“ حمید بولا۔

”اور پھر ایسی صورت میں بھی تم وہاں قیام کرو گے۔“

حمدید نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر رواگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پولیس کی ایک لاری میں دس سلسلے نیشنل سیست وہ ارجمندگھائی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب گھائی کا فاصلہ دو میل رہ گیا تو نیں لاری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ آگے جل کر دشوار گزار راستہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں کوئی نہیں تھی۔ چاروں طرف بے ترتیب چنانیں بکھری ہوئی تھیں۔

”دین راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”ورنہ یہ گھائی اب تک
دیا نہ رہتی۔“

انہیں جلد ہی دوسرا راست مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدمی مسافت تقریباً
یک گھنٹے میں طے کر پائے۔

”وہ دیکھو..... وہ رہا۔“ فتحاً میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی
قاچھ بھی اسے سامنے کی چنانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو چلتا کوتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔
”یعنی یہ اس کا معمول ہے۔“ حمید بڑا بڑا۔

”قطعاً..... وہ روزانہ اسی وقت گھاس چڑھنے آتا ہے۔“ میجر نصرت نے ہنس کر کہا۔ پھر
خجیدگی سے بولا۔ ”اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین
نسل کا آدمی ہے جو کسی غار میں پڑتا رہتا ہو گا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لیتے
کو تیار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آل کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہو جانے
سے کیا مطلب لیا جائے۔“

حمد پچھنہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چنانیں چھلانگاں ہوا
ٹیڑی سے دوڑتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی ذمکھتے وہ وادی میں اتر آیا۔ حمید نے
ہنہاں ہٹ کی آواز سنی جو ہبہ کوی گھوڑے کی آواز تھی۔ پھر وہ عجیب التلقف آدمی گھنٹوں کے میں
دونوں ہاتھوں پر ریک ریک رک گر گھاس چڑھنے لگا۔

کبھی کبھی وہ رک کر گھوڑوں کی طرح من اٹھاتے ہوئے جنہاں نے لگا تھا۔

”یہ بھی عجیب بات ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”آدمی انگریزی آدمی فرانسیسی بولتا ہے۔“

”حالاً کہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔“ حمید نے خجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت
نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

”یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سارجن جیڈ ہو۔“ میجر۔ ”اس نے کہا۔“

”میرا خیال ہے کہ فریڈی کا تو ناٹھے بند رہتا ہو گا۔“ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش میں لٹکے تھے۔ میجر
نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھائی میں اتنے کی
ہست کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی نشیب میں اور پھر راست بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل بھی
وہ بہت بڑی جھیل رعنی تو ہو گی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خلک ہو جانے کی بناء پر اب وہاں
بزرہ زار نظر آتا تھا..... اور اس جن گھائی کو بس پچکے پچکے بونے ہی سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔
”گھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھائی کی گہرائی

تمن سوٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ پنجے کی زمین قریب قریب بربر تھی اور اس پر بزرہ
لہلہاں نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف اوپنی اونچی چنانیں تھیں اور چنانوں کے دو میان میں وہ
وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

”دیکھو.....!“ میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ ”تم سب چنانوں کی اونٹ
لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اسے گھیر کر زندہ
پکڑنے کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائز کرنا۔“

سلیمانی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے پنجے اتنا شروع کر دیا۔
میجر نصرت نے تماشا ہیوں سے کہا۔ ”آپ لوگ براؤ کرم پیچھے ہٹ جائیے اور کوئی صاحب پنجے
جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہو گی۔“

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے
کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

”آؤ..... اب ہم پنجے چلیں..... تمہارے پاس رویا اور تو ہو گا ہی..... ہمیں دراصل یہ بھی
دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟“

دونوں ایک دراڑ میں اتر گئے۔ لیکن تمیں یا چالیس فٹ سے زیادہ دونہیں جائے کیونکہ
آگے چل کر راستہ خط مستقیم کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ پھر اوپر آگئے اور اب انہیں دوسرے
راستے کی تلاش ہوئی۔

موچھوں کا خیال رکھو گے۔"

حید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر جھکا لیا۔

"پہنچنیں..... ہمارے آدمی نیچے پہنچ بھی یا....." میجر نصرت کچھ اور کہتے کہتے کہتے رک گیا..... حید کی نظر بھی اٹھ گئی..... نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وہ اپر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا دیکھ کر اس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی..... ابھی تک شاید دوسرے سپاہی نیچے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سپاہی اسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرف سے گھرنا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر سپاہی کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ گئے تو ان میں استاد نہیں ہوگا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگائیں۔ حید صرف سوچتا ہے۔ اس نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما جیوان کو قریب سے دیکھنا تھا۔

ان کے ساتھ ہی سپاہی بھی ایک ایک کر کے نیچے پہنچ گئے اور وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھ ہو گئے تھے۔ اب شاید میجر نصرت کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا دوسری طرف وہ جیوان نما انسان جو ان سے ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چونکا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے گھاس چرتے چرتے منہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ہونتوں سے فر فراہٹ کی آوازیں نکالتا ہوا دلتیاں جھاڑنے لگا۔

"فائر کرو۔" میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

وہ رائفلیں اٹھیں لیکن باڑھ مارنے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بھاگا۔ باڑھ ماری گئی..... وہ لڑکھا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹانوں تک پہنچ گیا۔ حید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چٹانوں میں

پھلنا کو دتا ہو انظروں سے غائب ہو گیا۔

"یہ تو ناممکن ہے۔" میجر نصرت ہانپا ہوا بولا۔ "کہاے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔"

پھر اس نے سپاہیوں سے کہاں بجھا گتے چلو..... آج ہم اسے تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔"

چٹانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گھوں کی طرح ہانپتے لگا اور حید نے جب ان چٹانوں کو قریب سے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ انہیں چٹانوں پر بندروں کی طرح اچھل کو دکر رہا تھا۔ یہ چٹانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلتا بھی دشوار تھا۔

وہ نیچے ہی ٹھہر کر دم لینے لگے۔

"وہ دیکھتے وہ رہا۔" اچانک ایک سپاہی چلایا اور سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکالے کافی بلندی پر چٹانوں سے جھاٹک رہا تھا۔

"آؤ..... شیطان کے گدھے نکے بچو۔" اس نے انگریزی اور فرانسیسی میں جملے زبانوں میں چیخ کر کھا اور پھر جلدی سے اپنا سر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ ادھر رائفلیں سیدھی ہو گئی تھیں۔ "کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔" میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

حید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشا ہیوں کو بھی وادی میں اترنے دیکھ رہا تھا۔

"میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔" میجر نصرت نے پھر کہا۔

سپاہیوں نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ حید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔

"میرے خیال سے آپ میں نیچے انتظار کیجھ۔" حید نے میجر نصرت سے کہا۔

"اوہ..... برخوردار..... اب میں اتنا بڑھا بھی نہیں ہوں۔" میجر نصرت پس کر بولا۔

ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچا بڑا دشوار تھا۔ سپاہیوں نے اپنی رائفلیں کانٹھ سے لٹکالیں تھیں اور بڑی عرق ریزیوں کے ساتھ اور پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حید سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ دو پھر تیلے سپاہی تھے جو بلیوں کی طرح چستی دکھار رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی پر جوش معلوم ہو رہا تھا اور وہ حید پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پہنچنے کے لئے آخری چٹان بڑی شیز ہی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

عینیش تھی۔ دس فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سا بابن کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹانیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھیں اور انہیں سے بھی ان کی اوپرائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حید کے ساتھ والے پر جوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹان پر کھڑے ہو کر چھلاگ لگائی اور اپر تکی ہوئی سا بابن نما چٹان کا کنارہ پڑکر جھول گیا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح اپنی ٹالکیں اور انہیں اور دوسرے لمحے میں چٹان پر تھا۔ لیکن وہ جیخ۔۔۔ شاید حید اسے کبھی نہ بھلا سکے۔

جیخ ہی کے ساتھ حید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے چھکنی ہوئی ایک انگریزی طرح نیچے واڈی میں جا رہا تھا۔ ایک جیخ اور سنائی دی۔۔۔ اور پھر سنانا چھا گیا۔

پوری واڈی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب سے تھا شے نیچے کی طرف بھاگ رہے تھے۔۔۔ گرتے پڑتے۔۔۔ حید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سنانا تھا۔ نیچے پہنچ کر انہیں بڑیوں اور گوشت کے لوگزوں کا ایک ڈھیر نظر آیا جس کے قرب و جوار کی زمین سرخ ہو رہی تھی۔ تماشائی جیخ رہے تھے۔۔۔ میجر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہی تو اس طرح کاپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔

”یہ ہوا کیسے۔۔۔“ میجر نصرت نے حید سے پوچھا۔

”مجھے کچھ نہیں معلوم۔“ حید نے چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ اوپر چلا گیا تھا۔۔۔ پھر میں نے اسے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔“

”کیا اس نے بھیک دیا۔“ میجر نصرت بولا۔

”نہیں۔۔۔!“ تماشائیوں کے مجھے سے ایک بوڑھے گرقوی الجد انگریز نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”چٹان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

مشتبہ انگریز

حید چوک کر اسے گھوڑنے لگا۔

”ہم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔“ انگریز پھر بولا۔ ”وہ چٹان پر تھا تھا۔۔۔ اور اس نے خود بھی چھلاگ لگائی تھی۔“

دوسرے تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چٹان پر سپاہی کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

”عجیب بات ہے۔“ میجر نصرت مختار بانہ انداز میں اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ حید کی نظریں اب بھی انگریز پر جبی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن براؤن کی گردان کر رہا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”آخروہ خود بھی فارمگ کیوں کرنے لگا۔“ حید نے میجر نصرت کی آواز بنی جو منہ اور کے اس خط را کہ چٹان کو گھوڑا تھا۔

”اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔“ حید نے کہا۔

”وہ گزر نہیں۔“ انگریز بولا۔ ”اس کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔“

”آخراً اپ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کر دیا گیا تھا۔“ حید الٹ پڑا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”چھوڑو بھی۔۔۔ بحث رہنے دو۔“ میجر نصرت نے مختار انداز میں کہا۔

”اب ہمیں کو کیا کرنا چاہئے۔“

پھر وہ تقریباً آدمی سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر نگتو کرتے

”بند کروں گا تم دونوں کو۔“ حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک پچھنئیں سمجھا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

”بھک مارتے ہو۔“ انور بولا۔

”کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔“ حمید نے قاسم سے پوچھا۔

”بے..... کیا مطلب!“ قاسم گز کر بولا۔ ”میں آپ سے والق نہیں ہوں اور آپ مجھ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔“

”صدماںی کا تعاقب تم نے کیا تھام نے۔“

”ارے..... ار..... نہ نہیں تو..... آپ کو حساب فہی ہوئی ہے۔“ قاسم بوکھلا کر اپنی کھوپڑی سے نکل گیا۔

”حساب فہی نہیں غلط فہی۔“ حمید دانت میں کر بولا اور رشیدہ ہٹنے لگی۔

قاسم بُری طرح گز بڑانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ ”تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”تم سے مطلب!“

”تم برادن کے آل کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہیڈ کو اڑکو فون کرنا ہوں۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”حید بھائی خدا کے لئے.....“ رشیدہ نے اس کا ہاتھ کپڑا لیا۔

”حید بھائی.....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”تم خل نہ دو.....!“ حمید نے رشیدہ سے کہا۔ ”مجھے تم سے بہت محبت ہے۔“

”کیا.....!“ قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

”بیٹھ..... نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیری تو نہ برادر کر دوں گا..... لم ڈھنگ.....!“ حمید نے قاسم سے کہا۔

”تم محبت کرتے ہو ان سے۔“ قاسم تھوک نگال کر بولا۔

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضا مند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دیر بعد فیصلہ ہوا کہ لاری کی ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

”ان کی واپسی بڑی اندر وہناک تھی۔ راستے بھر کوئی پکھنہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھلے ہو رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں میحر نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ بہتر ہیادہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال ہی گیا۔

ہوٹل آیا تو یہاں اور ہی شگوفہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہاں میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی موجود تھا۔ حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔

”آپ بھی تو تھے شاید ارجمند گھائی میں۔“ انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔“

”میرا تعلق تمہارے باب کے جنائزے سے ہے۔“ حمید ناک کے بل بولا۔

”کیا مطلب.....!“ انور کی بھجنوں میں تن گینگ۔

”کیا تم کر اندر پورٹ انور نہیں ہو۔“

”ہوں تو پھر.....!“

”کیا صدمانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔“ حمید نے کہا۔

لیکن اس بارے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور اسے گھونے لگا پھر من بنا کر بولا۔

”تو یہ تم ہو۔“

”ہاں میں ہوں..... اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب سک پچے

رہے ہو۔ میں اب دکھوں گا تمہیں۔“

”کیا کرو گے؟“

”پڑاٹھو.....یہاں سے۔“ اور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”جاو.....لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔
انور اور رشیدہ اٹھ کر پڑے گے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

”اب بتاؤ بیٹا تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”میں گارت ہو گیا..... حمید بھائی۔“ قاسم روہائی آواز میں بولا۔

”عشق کا چکر ہے۔“

”یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے ملوں چپ چاپ اسے لے کر یہاں چلا
آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔“

”کون رشیدہ.....!“

قاسم نے جواب میں سرہاد دیا۔

”ابے کیوں شامت آئی ہے؟“

”تمہیں حمید بھائی..... الائمہ وہ بھی مجھ سے موجبت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور۔“

”تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پر پنج اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں الو
بنایا ہے۔“

”تمہیں وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔“ قاسم نے کہا۔

”خیر ہت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔“

”تمہیں جاؤں گا..... چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔“

”کیا سمجھتے ہو.....؟“

”تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موجبت ہے۔“

”اچھا ہے تو پھر.....!“

”تو پھر.....!“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”دیکھ لیتا۔“

حمید نے رشیدہ کو دیکھا جو تھا اسی کی طرف آرہی تھی۔

”ذراء..... ادھر آؤ۔“ اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر ہی اندر کو نہ لے گا۔
حمد اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

”میں نے انور کو منج کیا تھا مگر وہ نہیں مانتا۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”وہ دراصل سجاد کے جزل
بپر کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”مگر یہ فریدی صاحب سے مکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔“ حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ”کیا
تھیں معلوم کروہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں تھہرے۔“
اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ ”اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ
تالوں کا کچھ نہ سچھ تعلق شیراز ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔“

”لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اسے ہرگز نہ پسند
کریں گے۔“

”میں نے بھی یہی کہا تھا..... لیکن اس نے کہا کہ ایسا موتعد آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔“
”لیکن انور نے مجرموں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ کچھل رات مجھ پر
حملہ ہو چکا ہے۔“ حمید نے رات والے واقعات دہراتے۔

”یہ تو خطرناک بات ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں ابے برقرار
رکھوں گا اس لئے کہ ہر بارڈن کا یہی حکم تھا۔“

وہ بھی اسی میز پر آگئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدھ رہا تھا۔

”لیکن وہ چنان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آسکا۔“ رشیدہ بولی۔

”اس پر گولیاں بھی چلانی گئی تھیں۔“ حمید نے کہا۔

”ہم اس وقت وہیں تھے..... آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔“

”قاسم کا بچا.....!“ حمید نے کہا۔

”میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ قاسم بولا۔

بیز رو سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے
بید نے لفافے کو توڑ مردوز کر جیب میں ٹھوٹ لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔
”یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں..... یہ مسٹر پاکر
تھے۔“

”جی نہیں..... مسٹر مورگن.....!“ کلرک نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔ پاکر کرن کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پاکر کہا کرتا تھا۔
والد کے بڑے گھرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھوٹکہ بیالے بال
نہ رتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“
”اڑتا لیں میں۔“ کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی
رف متوجہ ہو گیا۔

”کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟“
”میرے تینا ماشکل ہے۔“ کلرک نے رجسٹر پر نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”آپ انہیں سے
یافت کر لیں تو بہتر ہے۔“
پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پٹاگ گفتگو میں بچپی لیتا
ہیں اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر دانت
نکالتے ہوئے کہا۔

”کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتا سکتا ہے جس نے اندر اج کیا
ہو۔ قدرتی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے..... وہ آپ کے پرانے
شناشیں۔“

”ضرور ضرور..... میں ان سے ضرور ملوٹ گا۔“ حمید نے پس کر کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔
یہاں قسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ ”اجاڑ راتوں میں..... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے
یہاں کی برسنر پہاڑیاں..... آسمان میں چاند تارے ہوا میں سکیاں بھرتی ہیں۔“

”اب آئی گے ہو تو میں تمہاری اور اس کی گشتی کراؤں گا۔“
”مردوز کر کہ دوں سالے کو.....“ قاسم نے سینہ تاں کر کہا۔

اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کو ہال میں
 داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجمندگائی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک حیرت انگیز
بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمدید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر ادھر دیکھے بغیر
کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کے
ڈھیر سے ایک رجسٹر نکال کر اس کی ورقہ گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جیب
سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ چڑہ بھاری اور کھوپڑی اٹھے
کے چلکے کی طرح شفاف تھی۔ جیزوں کی مخصوص بنادوں اس کی سخت گیری کی طرف اشارہ کر رہی
تھی۔ قوی مصروف تھے اور حرکات و سکنات سے پھر تیلاں نیلے ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید وغیرہ پر
اچھی سی نظر ڈالی اور رول کئے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہوتوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔ اس
کی انگلیاں کثرت تباہ کوئی نہیں سے بھوری نظر آ رہی تھیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھونٹ نے لگا۔ وہ چند لمحے دیں کہڑا کچھ
سوچا رہا پھر ہال سے نکل گیا۔

حمدید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔

”کیپین پر کاش کی کوئی فون کاں تو نہیں تھی۔“ اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔
”جی نہیں..... لیکن ٹھہریے..... کیا نام بتایا تھا آپ نے..... کیپین پر کاش..... آپ کا
ایک ایریوگرام ہے۔“

”اوہو..... ٹھیک..... میں اس کا منتظر رہی تھا۔“
کاؤنٹر کلرک نے ڈرائیر سے ایک لفاف نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا ایریوگرام

ایک پھول کافی ہوگا۔” قاسم نے پوچھا۔
ایک میں کیا ہوگا..... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشی میں ریشمی روپاں
ہائک کر پیش کر دینا۔”
”مجھے افسوس ہے.....“ قاسم غمزدہ آواز میں بولا۔ ”میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑا
بیٹ کرنا چاہتا تھا۔“
”وہ تم مجھے پیش کرو..... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تھائی میں انہیں پہن کر
توں آئینے کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔“
قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہٹنے لگا..... اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں
لے ہوتے اور اور پری منزل کی طرف جاتے دیکھا رہا۔ اس نے اب وہ قاسم سے پچھا چھڑانا
پہنچا تھا..... اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہو گیا۔

اڑتا لیس نمبر کا کردہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔
راہداری سنان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت
تھی لیکن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے
لٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ کر کٹھی کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔
مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیکی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔
اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چڑے کے سوت کیس میں رکھ دیا۔
اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شاندوہ ہاہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔
بیداٹھ گیا۔

شاید پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں دعی سوت کیس تھا
جس میں اس نے مشین گن رکھی تھی۔

حمد کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔
”ہوائیں سکیاں بھرتی ہیں۔“ حمید اسے گھوڑ کر بولا۔ ”بیمار ہیں ہوائیں۔ ہواؤں کا
معدہ خراب ہو گیا ہے۔ کہیں تیراد مانع نہ خراب ہو جائے۔“
رشیدہ نہس پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ پچھہ ویرا بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔
”تم بہت وابیات آدمی ہو۔“ قاسم نے حمید سے کہا۔
”مجھ تھاہری بر بادی کے دن قریب آگئے ہیں۔“
”تم کیوں میرے معاملات میں تائگ اڑاتے ہو۔“
”میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں..... تم نے آج تک رشیدہ کو کوئی تخدی دیا۔“
”نہیں کوئی نہیں۔“
”بس خالی خولی..... زبانی خرچ..... محباوؤں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش
کر دیتے ہیں۔“
”پھول..... صرف پھول..... یہ تو.....!“
”ہاں..... پھول..... رشیدہ گوہبی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔“
”گوہبی کے پھول.....!“ قاسم نے حرمت سے کہا۔
”ہاں..... پسند ہے اپنی اپنی۔“
”نہیں تم مذاق کر رہے ہو۔“
”چھابجی..... میں آپ سے مذاق کروں گا۔“ حمید غصیل آواز میں بولا۔
مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔
”نہیں حمید بھائی..... نھیک ٹھیک بتاؤ..... الاقسم میں مغموم ہوں۔“
”فریدی صاحب کو تم جانتے ہو..... آخر نہیں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچھا
بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے۔ مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ
بھی..... گوہبی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا برا پھول ہوگا اتنا ہی خوش ہوگی۔“

چوہیا اور جہاں پناہ

دوسری صبح سرجنت حمید، میجر نصرت اور تین دوسرے مقامی آفیسروں کے ماتھے ایک ہیل کوپٹر میں ارجمنگھائی پر پرواز کر رہا تھا۔ حمید نے اپنی بچھڑی رات بڑی بے چینی سے گزاری تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر صاف غائب ہو گیا۔ ایسے موقع پر حمید بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے فریدی اس کو پسند نہ کرے۔

ہیلی کا پیرادی سے گزر کر انہیں چنانوں کی طرف جارہا تھا جہاں وہ عجیب الملاقات آدم غائب ہو گیا تھا۔ وہ اس چنان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث بنی تھی۔ دوسری طرف میلوں تک خشک اور بھورے رنگ کی چنانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ کہیں بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دتی بزم چنانوں میں چھیکے اور ہیلی کا پیر نے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس حیوان نما انسان کا کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بزم ادھر ادھر پھر چھیکے گئے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے میجر نصرت سے کہا۔

”کیا ہیلی کا پیر کو اتنا راجائے۔“

”میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا۔“ حمید بولا۔

”کیوں.....؟“

”مجھے وہ آدمی تھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔“

”یا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”ارے جتاب! اگر گولی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔“

”ہو سکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو۔“ آفیسر نے کہا۔

”ہرگز نہیں..... وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔“

”تب تو پھر اس طرح اس کا ملتا محل ہے۔“

”نہیں..... آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلح آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے ہیں۔“ حمید بولا۔

”زیادہ آدمی..... یہ بھی محل ہی ہے۔ ہیلی کا پیر صرف ایک ہے۔“

ویسے اس کے علاوہ ان چنانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر تھوڑے تھوڑے آدمی پہنچائے جائیں تب بھی آپ کا بیان کردہ خطرہ تو باقی ہی رہتا ہے جب تک آدمیوں کی دوسری ٹھیک آئے گی وہ پہلی ٹھیک کا صفائیا کر چکے ہوں گے۔

”بھی میں کہتا ہوں..... جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”ہاں لیکن ہم اس چنان کو ضرور دیکھیں گے۔“

ہیلی کا پیر پھر گھٹائی کی طرف موڑ دیا گیا۔

”فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔“ میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

”ہاں کل میدرڈ سے ان کا ایروگرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی علاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی ہاتھ آ جاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہو جاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حیرت انگیز ہیں۔ ہاں اچھا اس مخصوص اجازت نامے کے متعلق کیا ہوا جو ایک زمانے میں منسون کر دیا گیا تھا۔“

”وہ تو کبھی کا بحال کر دیا گیا ہے۔ جیراللہ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہیں..... ورنہ

فریدی اب تک مستغفی ہو چکے ہوتے۔“

ہیلی کا پیر اس چنان کے اوپر فضا میں بکھر کر متعلق ہو گیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر

ٹکال کر نیچے جمائا۔ چنان اور سے بالکل ساٹھ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کی ہیلی

کا پیر اتر سکتے تھے۔ پاٹکٹ نے رسیوں کی سیر ہی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا ارادہ ہے۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔“

بیفے لوگ بد حواس ہو کر چینخے لگے۔ انگلوانگیں پاٹکت گالیاں بک رہا تھا۔
”اتارو..... اتا رو..... جلدی کرو۔“ میحر نصرت چینخا۔

ہیلی کاپڑ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر نکل گیا۔
وہ سب نیچے کو دو کو آفیر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا عی کیا۔۔۔ پکا ہوا
مرجس سے خون آلو دمغز بہر رہا تھا۔ گوشت کے لوقھڑے اور ٹکٹکتہ ہڈیاں۔
حمدید کو چکر سا آ گیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرا ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس نے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیشے سے بڑی طرح بیزار
ہو رہا تھا۔ گھٹائی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیران ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک
پک، اسکی میں پڑی۔ وہ اس پکلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوقھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بھی
بھول جانا چاہتا تھا۔ دل بھلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔
انور اور رشیدہ کے کمرے بھی مغلل تھے۔ شاید وہ دو فوں بھی باہر نکلے ہوئے تھے۔

حمدید ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شہر کے چکر لگانے لگا۔
اسے دو ایک بار اس پر اسرار انگریز مورگن کا بھی خیال آیا لیکن اس نے اس طرح اپنے
ذہن سے جھاڑ دیا جیسے جسم پر ریگتی ہوئی چیزوں نے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت
صرف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ان میں بیٹھ کر خوب قہقہے لگائے۔

راستے میں اسے ایک کافی ہاؤز نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔
صدر دروازے پر ایک مجھول سا آدمی ایک کنارے استول ڈالے بیٹھا اونکھ رہا تھا۔ حید کی
آہٹ پر چوک کر خلاء میں گھوستا ہوا بولا۔ ”نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔“

پھر اس نے ہوا میں مکاہرا کر کسی کو خیالی ڈھکی دی۔ حید رک کر اسے گھوستے لگا۔ وہ
حید کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑھا۔

”مضامین خوش خط اور صاف لکھئے۔۔۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفاظہ یا پوست۔

ایک آفیر نے کوئی جواب دیئے بغیر سریز ہی نیچے لکھا دی۔

”دیکھنے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔“ حید نے کہا۔

”آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔“ آفیر بس کر بولا۔

”یہ چنان خطرناک ہے۔“

”اب اتنی بھی نہ ہوگی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سپاہی
تو ازان برقرار نہ کر سکنے کی بنا پر گرا ہو گا۔“

”نہیں وہ اچھی طرح سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔“ حید نے کہا۔

”تب وہ ایکرونو بیا کاشکار رہا ہو گا۔“ آفیر مسکرا کر بولا۔

”یہ کیا بala ہوتی ہے۔“ میحر نصرت نے کہا۔

”بلندی سے خوف کا مرٹ۔۔۔ بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں دیکھ
سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بعض

وقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چلا گئی بھی لگادیتے ہیں۔“

”اتنی نفیات میں نے بھی پڑھی ہے۔“ حید بولا۔ ”لیکن کبھی بھی بہت عیٰ ٹھوں قسم کے
سائنسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔“

پھر حید نے اپنی ایک حیرت انگریز چھپ کو دا سا بقہ تجربہ بیان کیا۔۔۔

”اچی چھوڑیے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔“ آفیر نے کہا اور لکھی ہوئی سریز ہی سے نیچے
اترنے لگا جس کا چکلا سرا چنان سے ایک فٹ اور بھول رہا تھا۔

”خدا مغفرت کرے۔“ حید بڑھا۔

وہ سب بڑی توجہ اور دلچسپی سے آفیر کو نیچے اترنے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیر سریز ہی
پر تھا اور دوسرا اس نے چنان پر رکھا تھا کہ ہیلی کاپڑ کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ پاٹکت اگر اسے فوراً
عنی حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے آفیر کی چینخیں سنیں اور چنان
خالی پڑی تھی۔

کارڈ آن ضروری ہے سمجھے۔"

پھر حمید نے اپنے پیچے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونکہ کرمزا۔ ایک دبلا پٹلانو جوان کھڑا افس رہا تھا۔

"یہ بیچارا.....!" اس نے کہا۔ "ایک رسالے کا ایڈیٹر تھا..... اور دن رات کافی ہاؤز میں بیٹھا مضمومین لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر فلاش ہو گیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کر لی۔ دیکھنے کس پیار سے اندر ونی میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔"

حمید ہستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے کہتے سن۔ "رسالے یہ کتابت ہے یا چیزوں میں ڈوب کر چلی ہیں۔"

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آ رہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھلکھلتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوبیوں کی لپٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گداز شانوں سے ریشمی سازیوں کے آچل سرک رہے تھے۔

حمد نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ "ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو وہاں اسٹول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔" ویٹر ہستا ہوا چلا گیا۔

حوزی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹرے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر اسے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیجے وقت حمید کی طرف اشارہ کیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے سکرا کر اسے بڑے "ٹھلکھ میل انداز" میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پنسل اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمد پاسپ سلاک کر کافی کی چکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

ی تھیں۔

ایک اینگلو اٹھین جوڑا اس کے قریب کی میز پر آ کر "آباد" ہو گیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل بُخ تھی۔ حمید نے اس پر اچھتی سی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیکھی کر کے پاپ بے لگا۔ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اس جوڑے میں ڈپسی لینی لڑکی نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوبیا پھدک کر میز پر آ گئی۔ اس عجیل ٹانگوں میں نہیں نہیں نہیں گھوگڑ پڑے ہوئے تھے۔

حمد بُری طرح چونکا..... اسے اپنی پاتو چوہ بیا یاد آ گئی۔ گھوگڑوں کی طرف غور کیا تو اس نے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھوگڑوں تھے۔ بالکل دیسے ہی جیسے اس نے ٹانچو ہیا کے لئے خاص طور پر چاندی کے بنوائے تھے۔

کیا یہ وہی چوہ ہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر سپنے کی سختی نہیں بوندیں پھوٹ آئیں۔ لیکن وہ بھی..... وہ چوہ ہیا تو چیر اللہ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا..... وہ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ بڑا ہو گئی تھی..... لوگوں کا خیال تھا کہ چیر اللہ اور اس کے تھی اسی کے ساتھ فتاہ ہو گئے ہوں گے۔

حمد نے اینگلو اٹھین جوڑے کو گھوڑ کر دیکھا۔ کیا چیر اللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر چوہ ہیا زندہ ہو سکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی ہوڑ پر سیٹی میں وہی دھن بجانے لگا۔ جس پر اس کی چوہ ہیا ناچا کرتی تھی..... اور پھر اس کی حیرت ناکوئی انجماہ بڑی جب اس نے چوہ ہیا کو سیٹی کی دھن پر تھرکتے دیکھا۔

اینگلو اٹھین جوڑا ہٹنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔ نید سیٹی روک کر کافی کی طرف متوجہ ہو گیا جواب مخفی ہو چکی تھی۔ پھر اسے یاد نہیں کہ اس نے کی طرح کچپ خالی کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ..... ایسا معلوم ہوتا تو اجھیے زندگی کی بقیرہ دھڑکنیں اسی وقت پوری ہو جائیں گی۔

کیا چیر اللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چنان وہ عجیب الاختیقت آدمی۔ اسے

میں بے شمار بگنو جملہ لار ہے تھے۔ اگر حمید کو یہ مہم درپیش نہ ہوتی تو وہ بچوں کی طرح دو چار جگنو پکونے کی کوشش ضرور کرتا۔ اندر ہیرے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت ست تھی لیکن وہ نارج روشن کرنے کی بھی ہست نہیں کر سکتا تھا۔

ایک جگہ وہ خوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے جدو جہد کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بڑی طرح جکڑا جاچکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کرو کب؟ کس طرح اور کہاں لے جائیا گیا؟

پھر تیز تم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اسے فرش پر کھڑا کر دیا گیا اور اس کے گرد تین قوی الجیش آدمی کھڑے تھے اور سامنے انگلو اٹرین جوڑا تھا۔

”خوش آمدید.....!“ مرد سکرا کر بولا۔ ”تمہیں کوئی تکلف تو نہیں ہوئی۔“

”قطیع نہیں۔“ حمید لاپوٹ سے شانے جھٹک کر بولا۔ ”اس نے دلیر بننے کی کوشش شروع کر دی تھی۔“

”ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ آج ہمارے شہنشاہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس تقریب میں کسی طرح کے تماشے ہوں گے۔ ہمارے شہنشاہ کو وہ چوہیا بہت پسند ہے جسے تم نے کافی ہاؤز میں اپنی سیئی پر نچایا تھا۔ وہ اسے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔“

”میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی طرح خوش کر دوں گا۔“ حمید نے اسے آنکھ ماری۔

”لہذا پناہ کیا گزرے ہیں۔“ مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”آپنے جو تے گانٹھ رہے ہیں۔“ اس نے بڑی سمجھدگی سے کہا اور کے ہونوں پر خفیف سی سکراہست بھی نہ دکھائی دی۔

”میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

وہ خوفناک بن مانس یاد آگئے جس کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا جو لوگ ایک معمولی سے بذر کو بن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نما انسان کی تخلیق کیا شکل ہو سکتی ہے اور وہ چنان..... ہو سکتا ہے کہ اس پر بچلی کے باریک باریک تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنت رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن در اصل جیر اللہ ہی ہے۔ یقیناً وہ جیر اللہ ہی ہو گا۔ ایسا سوچتا قادری امر تھا۔ اگر اس حیوان نما انسان کے سلسلے میں حمید پر فائزہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصور کرتا مگر اب صورت دوسری تھی۔ اسے یقین آگیا تھا کہ میز پر تمرنی ہوئی چوہیا اسی کی تھی۔

لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا میرٹ ہا ہے..... اور وہ دل ہی دل میں فریبی کو بڑا بھلا کہنے لگا۔

حید نے دوسری کافی کا آرڈر دیا۔ وہ اس انگلو اٹرین جوڑے کے اٹھنے سے پہلے اس طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندر ہر اچھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچے باہر نکلا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

حمدید ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدھے گھنٹے تک تعاقب جاری رہا پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔

حمدید نے ٹیکسی رکوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک ٹیکسی واپس نہیں چل گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہو گا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت کے کینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ پاروں طرف اندر ہیرے کی حکماں تھی اور فضا پہاڑی جھینگروں کی ”جھائیں جھائیں“ سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

چیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا کہ اب اس کی ملاقات جبر اللہ سے ہوگی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی بیجی چیز ایک صوف پر بیٹھا جوتا گا تھرہا تھا۔ لیکن یہ جبر اللہ تو کسی طرح بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید نے پہلی ہی نظر میں بھاپ لیا تھا کہ وہ نعلیٰ نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح جندھیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر تار کی ہی کی عادی ہوں۔

”تم آگئے گدو.....!“ اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

”جہاں پناہ.....!“ سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیک وقت جھکتے ہوئے کہا۔

دوسرा آدمی

حمد بڑی حرمت زدہ نظرؤں سے اس ”جہاں پناہ“ کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاصاً خوبی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو برا تھا مگر دار تھا لیکن جوتے گانٹھنا..... کیا وہ صحیح الدمامغ تھا۔

”یہ کون ہے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔
”ماری ہے..... یور میجٹی.....!“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

”اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔“

حمد سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہو کر بولا۔ ”خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔“

”ہاہ.....!“ وہ ران پر ہاتھ مار کر چینا۔ ”ہم خوش ہوئے..... تمہارا نام کیا ہے۔“

”خادم کو ڈیبا ستر کہتے ہیں۔“

”بکواس.....!“ اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”تمہارا نام تل فلوں ہے۔“
”ہاں ہاں! تل فلوں ہے۔“ اس کے ”درباریوں“ نے بیک وقت ہاک کلکی۔
”تم سب گدھے ہو۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”ہاں ہم سب گدھے ہیں۔“ انہوں نے یک زبان ہو کر دہرایا۔

”تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔“ وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔
اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح ریکنے لگے۔

حمد بے اختیار پس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن
میں نکل گئی تھی۔ اب نہ اسے جیر اللہ یاد تھا اور وہ براؤں۔

”خاموش.....!“ خبی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

”تل فلوں اپنے کرت بکھاؤ۔“ اس نے حمید سے کہا۔

لڑکی نے بیک سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

”اوہو! یہ تو رینا ہیور تھے ہے۔“ خبی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹ بجائی شروع کر دی۔ چوہیا تھر کئے گئی۔

”ہاہ.....!“ خبی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ ”اتھی تم پے مداری ہو۔“

جب تک حمید نے سیٹ بندھیں کی چوہیا تھر کتی رہی۔

”آ و ادھر آ و..... تل فلوں میرے پاس بیٹھو۔“ خبی اپنی رانیں پینٹا ہوا بولا۔ ”میں

جسے تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔“

حمد اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی پینٹہ ٹھونکتا ہوا بولا۔

”بول کیا مانگتا ہے۔“

”مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔“ حمید نے اینگو اٹھنے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اس

نے پہلی بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جلاہٹ کے آثار دیکھے وہابے قہر آلو نظرؤں سے

گھورنے لگا تھا۔

”ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی..... جو لی ادھر آؤ۔“

”مگر..... یورچیشنی.....“ لڑکی کے ساتھی نے احتجاج کیا۔

”بکواس بند کرو..... یہ ہمارا حکم ہے..... جو لی ادھر آؤ۔“

لڑکی بھی شاید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

”تمہیں ناتام نے۔“ خطی ران پر ہاتھ مار کر چکا۔

جو لی بادل خواستہ صوفے کی طرف بڑھی..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہو گئی۔ خطی حق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ کسی نے حمید کی گردن پکڑ لی اور اسے دھکیلہ ہوا دروازے تک لا یا۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھونٹنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خطی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے قطعی لا پرواہ نظر آ رہے تھے۔

”تم آرام کرو۔“ لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چل گئی اور وہ حمید سے مخاطب ہوا۔

”تقریح تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔“ لیکن اس بات کی وضاحت کر دوں کہ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔“

”کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔“ حمید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”تیکی سمجھ لو۔“

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”حمد بے چوں و چا بیٹھ گیا۔ ڈرامے کے اس بدلے ہوئے میں نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔“

”تم یہ مت سمجھو کر ہم تمہیں پیچانے نہیں۔“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”اور شاید اب تم ہمیں بھی پیچان گئے ہو گے۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“ حمید نے حیرت کا انکھار کیا۔

”وقت برباد نہ کرو..... ہمیں صرف فریدی کی جلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ تاذد تو ہم“

”میں چھوڑ دیں گے۔“

حمید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی کہ یہ لوگ اسی پیکے ذریعے اس کو چھافٹ کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا بیٹھا۔

”فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”بکواس ہے..... ہمیں اس پر یقین نہیں۔“

”کل ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایروگرام موصول ہو گا۔“

”ہمیں معلوم ہے۔“ لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ ”لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی کے مشکل نہیں۔ وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایروگرام منگوٹا سکتا ہے۔“

”لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیسہ نہیں گے۔“

”تو تم اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگادیا۔“ حمید نے کہا۔

”اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے، ہم کمی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومزی کی اولاد معلوم نہیں۔“

”جیرالڈ کہاں ہے؟“

”فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔“

”ہو سکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ ہمیں موجود ہیں تو ہم ان کا پتہ نہیں جانتے۔“

”تم جھوٹے ہو۔“

”بے اعتباری کا تعلق ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔“

”تم مکار ہو۔“

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اسے لے جاؤ۔“
 ”تمہرو..... کیا مجھے تمہارہ نہ پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔
 ”نمیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔“ وہ طنزیہ لجھے میں بولا۔
 ”کیا مجھے میری چوہیا وابس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں
 قید میں ہوں۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جوی کا ساتھی بھس کر بولا۔ ”تم نے ہماری وقت دیکھ لی ہم نے
 اس چوہیا کو بھی مر نے نہیں دیا وہ جوی کو پسند تھی۔“
 ”مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ بچے کس طرح۔“ حمید نے کہا۔ ”اس دھاکے نے تین چار
 میل کا رقبہ تباہ کر دیا تھا۔“

”اپنی جدید ترین سائنسی ایجادوں کی بناء پر ہمارے پاس اپنے راکٹ موجود ہیں جو آواز
 کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھاکہ ہوا ہم تین میل کی
 بلندی پر تھے۔“

”اور اب تم ارجمن گھائی کو اپنا اڈہ بنار ہے ہو۔“

”تم بہت کچھ جانتے ہو.....“ وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ”اور یہ بہت بُرا ہے۔ بہت بُرا صرف
 تمہارے لئے..... ویسے ہمیں یقین ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چنان کا کرشمہ تو
 تم دیکھتی ہی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چنانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں..... کیا سمجھے۔“
 ”اور وہ گھوڑا.....!“

”فریڈی کی نالگیں وہی چیرے گا۔“

”تم نے صفائی اور اس کے پرائیوریٹ یکریٹری کو کیوں قتل کیا۔“

”تم تو اس طرح سوالات کر رہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں ڈال چکے ہو۔“
 اس نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

”اچھا یہی بتا دو کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟“

”اگر یہ جملہ کی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کا منہ چوم لیتا۔“ حمید نے غصب ناک ہو کر کہا
 ”تم نہیں بازاڑے گے۔“

”شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلانی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔
 ”تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیں تمہاری پوچھ کرنی چاہئے تھی۔“

”اچھا یہ مختصرہ کون ہے۔“

”ہمارا بادشاہ.....!“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”تم اس کی حالت دیکھ بھی پچھے ہو۔ اگر
 اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں
 تاکہ جلد سے جلد جان چھڑا لو۔“

”سخود دست.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس
 لئے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگا دو اور رہا فریڈی کا معاملہ تو جو کچھ میں نے ابھی بتایا
 ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہ سرے
 سے یورپ گئے ہیں۔“

”ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔“

”لیکن میں یہاں تھا آیا تھا۔“ حمید بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا ہے
 جب تک کفریڈی ہمارے ہاتھ نہ آ جائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاستری تک
 پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔“

”آ..... شاستری۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”بڑی پیاری شخصیت ہے۔“

”تمہاری کچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں..... مگر ہم عموماً معاف کر دیتے ہیں..... ہمارے
 لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتا دوں کہ یہاں سے
 تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور و غل بھی چاپا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ دھریں
 کے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔“

پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حید نے دوسری دیا سلامی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ قام نگہ دھرنگ آدمی تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی انگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ٹانگوں میان جھول رہا تھا۔

”آپ سارجنت حید ہیں۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن تم...!“

”پکھ نہیں خاموش رہئے۔“ اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے تارچ کال کر داں والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر بے زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟

پھر اس نے کمر سے تھیلا کال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں دسیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا رذا سا حصہ اس سے اچھی طرح بھگ دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوڑا رکالا یہی وقت، ہھوڑی اور کھڑائی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوڑا دیوار کے بھیکے ہوئے پر رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پالپر گلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید میں منٹ کے بعد حید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا اداخ دیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر باسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حید کوٹ پہنچنے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے بے شراب کی بوتل نکالی اور غث غث کی گھونٹ چڑھا گیا۔

حید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیزاللہ کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔ اندھیرا کافی گہرا تھا اور اب جھیٹکر بھی نہیں چیخ ہے تھے اور درختوں میں بجنگوں کی جملہ لاءٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سنائے کی آواز ہو۔ اسی بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن حید کا نگہ دھرنگ ساتھی بے تکان راستہ طے کر رہا تھا۔

”یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم کسی پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنادیں گے۔“ جویں کے ساتھی نے نہیں کر کہا۔ ”کیا تمہیں قدیم یومنی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گوزن تھا۔“

ہھوڑی دیر بعد حید کو اس کی چڑھیا واپس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرہ کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہو گا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے کبھی گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہو گا۔“

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی..... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سورج بھی شاید پاہر ہی تھا۔

حید نے کوٹھار کر میز پر ڈال دیا اور چڑھیا کو چھٹی پر رکھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ ”مری جان! آخر تم میں گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیوار ہو رہا تھا۔ مگر شاید یہ ہمارا آخری سفر ہو۔“

پھر حید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہر حال رہائی کے لئے پکھنہ پکھنہ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جافتائیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جاسکتا۔ لیکن پھر بھی حید کو نیند نہ آئی۔ تکوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتنی تھی کیا وہ بچ مجھ اسے چھوڑ دیں گے۔ نہ ممکن کیونکہ جیزاللہ شاہستہ کو سب سے زیادہ نقصان اسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ مغضن اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا جاہ ہو گئی تھی۔

حید نے گھری دیکھی۔ دونج چکے تھے۔ دیا سلامی جلا کر وہ اندر ہمیرے میں آنکھیں چھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہی بجے کمرے کی روشنی بچا دی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک بلکل سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داٹھ ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیئے۔ حید نے جلدی سے دیا سلامی جلا۔ آنے والے نے اپنے

وختا وہ ایک چکر کیا۔ اس نے اپنے حلقو سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قریب ہی سے کسی نے اس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حمید کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حمید کا ساتھی نقاب زدن بنتا ہوا چنانوں میں غائب ہو گیا۔ اب حمید اس دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ بلس چپ چاپ چلتا رہا۔ اس کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چنانیں چھلانگتے ہو اتیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حمید کی سانس پھونے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیر اللہ کون سی چال چلتے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اپنے اعتقاد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حمد کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگایا تھا۔ اس نے اپنی رفتار کم کر دی لیکن وہ اسے ایک اجاڑھی کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حمید کو دور تک بکھرنا ہوئی چنانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

”بھی میں تھک کر چور ہو گیا ہوں۔“ حمید بالآخر بولا۔ ”اگر ہم تھوڑی درستالیں تو کام حرج ہے۔“

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حمید نے اس سے ذرا بہت کر ایک بڑے سے پتھر سے نیک لگائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھی جیر اللہ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس سے پٹک لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگادی۔

”ابے پاگل ہوا ہے کیا؟“ اس کے ساتھی نے اسے دبوچتے ہوئے کہا اور حمید کے ہاتھ پیڑھیلے پڑ گئے۔

آواز فریدی کی تھی۔

ترغیب

حمد نے تحریر آمیز نظروں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزیں موجود تھیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تیل کا ایک ساف روشنی دینے والا لیپ روشن تھا اور اسنوں کی مسلسل سفناہت غار میں گونج رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوشی دار بھاپ، حمید کی بھوک چک اٹھی اور اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو ہونتوں میں سگار دباۓ کھڑا کافی کے برتن کو گھوڑ رہا تھا۔

”کیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آگئے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں گیا ہی نہیں..... جیر اللہ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی یہاں کے لئے روانہ ہوا تھا۔“

”آپ بھی شہ مجھے موت کے منہ میں جھوٹک دیتے ہیں۔“

”اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”وہ آدمی کون تھا.....؟“

”یہاں کا ایک ماہر نقاب زدن.....“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ تمہیں اس بھیس میں پیچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدو جهد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ تمہیں میرے لئے پکڑیں گے ضرور..... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔“

”کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حرمت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔“

”بیکار..... جیر اللہ ان میں نہیں تھا..... اور وہی میرا شکار ہے۔“

”ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے حصہ میں رہا ہو۔“

”نہیں میں اسے ہر بھیس میں پیچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدلتا اور اس کی آنکھیں لاکھوں میں پیچانی جا سکتی ہیں۔“

”مگر وہ پاگل آدمی..... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔“

”محیے حرمت ہے کہ اتنی معمولی سی بات تھاری سمجھ میں نہ آسکی۔“ فریدی سگار سلگا کر
وہ مغض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا
ذاق کرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیر اللہ کو وہ
میں دوز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیر اللہ ارجمند گھائی میں دوسری
میں دوز رہائش گاہیں تغیر کراہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی
ضرورت پیش آئے گی اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔
صدائی کی الماری۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید سرہلا کر بولا۔

”مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ نیم وحشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چڑاؤں کی
طرف کی طرف لے جاتا ہے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی
راستہ ہو گا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچے سرمارتے پھیریں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“
”اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ راست بھی انہیں خطرناک ہو گا۔“ حمید نے کہا۔ ”اُس خونی چٹان
کی طرح..... اور وہ لہبہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چڑاؤں کو اتنا ہی
ہٹلک بنا سکتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پاپ میں تماکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر
بعد اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ان چڑاؤں پر بمباری کی جائے گی۔“

”ان کے لئے ایسی بم چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر خیر..... یہ فضول کاروائی بھی
میرے لئے مفید ثابت ہو گی۔“

”بہتری باقی ہیں..... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا اس اسولو۔“

”ممکن..... شاکد ہی نہیں آئے۔ جو لوگی بڑی حسین لڑکی تھی..... ان کے بختوں نے

”فی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ میں نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کوئی
خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تقریبات میں وقت ضائع کریں۔“
پکھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

”تو پھر اب تو یہ بات صاف ہو گئی کہ صدائی اور اس کی سیکریٹری کا قتل اسی الماری کی وجہ
سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہو گا۔“

”مگر صدائی کا قتل کیوں؟“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان کا یہ مقصد اس قتل کے بغیر بھی
حل ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صدائی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی سیکریٹری کسی وقت بھی دفتر
میں داخل ہو سکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جاسکتی تھی۔ کسی کو ذرہ
برابر بھی شبہ نہ ہوتا۔“

”ہو سکتا ہے صدائی کچھ بجا پا گیا ہو۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں یہ ممکن ہے۔“ فریدی نے کہا اور اسٹوپر سے کافی کے برتنا اتارنے لگا۔
پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آ گیا۔

”انور سجاد کے بجزل غیر کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”محیے معلوم ہے..... اور وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اسے کرنے دو۔“

”قاسم بھی بھیں آ گیا ہے اور اسے رشیدہ سے عشق ہو گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”یہ مجرم نہرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کر رہے ہیں۔ وہ اس نیم وحشی آدمی کا
ٹھکان نہیں معلوم کر سکیں گے۔“

”اوہ..... اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”آخر یہ حرمت انگریز آدمی؟ اس کا
مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے بال کیسے اگ آئے۔“

”کیا تم اُن بن مانوں کو بھول گئے۔“

”لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔“

”مغض طریقہ کارکی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی نہیں۔ تم پر اس وحشی کا حملہ..... وہ عجیب و غریب چنان..... اس صدی میں جیر اللہ کے علاوہ دن ایسا پیدا ہوا ہے جو اتنے سامنی طریقے اختیار کر سکے۔“

میک اپ میں زیادہ دریٹھیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ چلے وقت اس نے حمید سے کہا۔ ”جب اپنی اس چیزی چوہیا کو یہیں چھوڑ جائیں تو بہتر ہے ورنہ ساری محنت برپا ہو جائے گی۔ یہ کبھی بڑی سخت جان لگلی۔“ حمید بدققت تمام اس پر راضی ہوا۔ ”لیکن دیکھئے۔“ اس نے کہا۔ ”اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔“ اس کی زندگی کا یہ کہانے والا ہوں اور پھر برخوردار بغرا خال سے اس کی شادی کروں گا۔“ ”بعض اوقات تمہاری بکواس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہمانے کے پکڑ میں احتقانے جا رہے ہو۔“

اس ریمارک پر حمید کچھ جھینپ سا گیا اس نے اس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش رکھئی۔ ”کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کر سکتا ہوں۔“ ”نہیں..... اس کی ضرورت نہیں۔“

”پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔“ ”مارو گولی..... میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں الاؤ..... مجھے تو جیر اللہ کی تلاش ہے۔“

”ہو سکتا ہے مورگن ہی جیر اللہ ہو۔“

”کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”گڑبرڈ کردی ورنہ میں اسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔“

”اوہ نہ.....!“ فریدی بہ اس منہ بنا کر بولا۔ ”کام کی باتیں کرو..... اب تمہارے لئے یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیزان ہوٹل میں نہیں جاؤ گے..... اور اب یہ کیپن پر کاش والی حشیثت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو..... دو دن تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیزان منتقل ہو جاؤ۔ انور شیدہ اور قاسم سے ملنے کی ضرورت نہیں..... ان سے الگ ہی رہو۔“

”اور مجھے کہنا کیا ہو گا۔“

”کچھی مارنا..... جب ضرورت ہو گی طلب کروں گا۔“

اچانک حمید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آگیا جو سوت کیس میں ایک سیکی مشین گن لے پھرتا تھا۔ اس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر ہے چالاک..... میں ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا..... پھر اس نے کہا۔ ”کام بڑھتا ہی جا رہا ہے..... مورگن کی متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کر دو۔ اس سے کہو کو وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال پکڑنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔“ حمید بولا۔

”نہیں..... میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کر دیں۔“

”پھر میں کیا کروں گا۔“

”تفرج..... ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے پکڑ میں نہ پڑتا سمجھے۔“

”کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔“

”ہاں..... یہ ارجمند گھائی سے نزدیک ہے لیکن تم کبھی خود سے یہاں آنے کی حیثیت نہ کرنا..... مجھے جب ضرورت ہو گی کسی نہ کسی ذریعے سے بلاؤں گا یا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس معاملے میں جیر اللہ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔“

”نہیں.....!

”تب تو وہ جیر الدنیں ہو سکتا.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”لیکن کیپن پر کاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے تقاضی اپنے پاس ہی رکھی تھی۔“

”اب تم کھکو.....!“ فریدی دانت پیس کر اسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی۔ اس نے سب سے پہلے اختیاط ایک تاریک شیشوں والی عینک خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔

اسی دوپہر اس نے خبر سنی کہ ارجمند گھائی میں ایک سرکاری طیارے سے بمباری کی گئی تھی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوتے اس عجیب و غریب چنان کے متعلق طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ جیرت انگریز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیارہ اس چنان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہو گیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کر دی۔ وہ سو فیصدی افواہ تھی۔ لیکن اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم جیرت انگریز نہ تھی۔ اس چنان پر دس پونڈ وزنی کی بم گرانے گئے لیکن اس سے ایک معمولی سائلکرا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے برکس دوسری بہتری چنانوں کے کافی حصے تباہ ہو گئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمباری کے نتیجے میں ٹوٹ پھوٹ کے باوجود بھی چنانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن ہے۔ اسی کے ساتھ ہی یہ خبر بھی کہ پچھلے دونوں سے وہ نیم وحشی آدمی نظر نہیں آیا۔

اک ادن کے اخبار میں حید کو ایک دوسری جیرت انگریز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسز فیلڈ کے بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے پر کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو ڈیتے۔ چوری نقب کے ذریعے ہوئی۔ مسروق چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موسوونے بڑی محنت سے ٹرین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے رتب دکھاتی تھی۔

پولیس میں رپورٹ درج کر ادی گئی ہے۔

حید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیخ تھا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بھاڑ سکتے۔ رسی چہبیا تو حید اسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حید ان کے خلاف کوئی ثبوت سہیا نہیں کر سکتے گے۔

حید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے فرار ہو جانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ سکتے گے۔ لیکن معاملہ اس کے برکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حید نے پھر شیزاد ہوٹل کی راہ لی اور اسے ایک خالی کمرہ مل ہی گیا۔ سب سے پہلے اس نے سورگن کی خبری۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا..... انور، رشیدہ اور قاسم بھی تھے۔ لیکن حید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوا۔

البتہ اسی شام کو وہ قاسم کی ایک حادثت سے کافی مخطوط ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیبین میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حید کھلے ہال میں کیبین کے سامنے والی میز پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گھری سی لٹکائے ہوئے اس کے قریب سے گزر رہا اور رشیدہ والی کیبین میں چلا گیا۔ اس نے وہ گھری میز پر رکھ دی۔ ”یا کیا ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”وگو بھی کے تازہ ترین پھولوں۔“ قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔“ رشیدہ جھنجلا گئی۔ ”کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی۔ مگر میں ہن کر ہال گئی تھی۔“

”تو کیا وہ پھول باسی تھے۔“ قاسم نے پوچھا۔

”آخر یہ ہے کیا بد تیزی..... اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھالا ہے۔“

”کمرے میں پہنچا دوں.....!“ قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

”میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔“ رشیدہ آپ سے باہر ہو گئی۔
”مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے چھول پسند ہیں۔“ قاسم روئی شکل بنا کر بولا۔
”کس گدھے نے کہا۔“

”محمد بھائی نے.....!“

”اوہ.....!“ رشیدہ خاموش ہو گئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ ”تم آخرانے یوقوف کیوں ہو۔“

”اس میں یوقوفی کی کیا بات ہے۔“ قاسم بُرا مان گیا۔ ”تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔
ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب یوقوف ہوں۔“
رشیدہ کی ہنسی تیز ہو گئی۔ آخر بدققت تمام وہ سجدیگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے پوچھا۔

”دو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیے۔“

”دکھائی تو دے سالا.....!“ قاسم دانت پیس کر بولا۔ ”میں اسے کچا چا جاؤں گا۔“
حمدیکو ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہوا تھا اس لئے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کہیں سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمیدل جاتا تو وہ
اسے مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل عین دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک غالی میز پر
جا بیٹھا۔

شام کافی خوٹگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگوں کی بہتات
تھی۔ قاسم اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا ایک کو گھوڑے نے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک اینگلو اٹھین
خورت پر جم گئیں جو کافی کیم شجیم تھی اور عمر اخھائیں سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ اس نے بھی قاسم کی
طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس خورت کو گھوڑے جا رہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو
آنکھ مار دی۔ بس پھر کیا تھا..... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے مل کھڑی ہو گئی۔ اس

کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اسے آنکھ مارنا آتا تھا
نہیں تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مش کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں
بند ہو جاتی تھیں اور اپری ہونٹ سکڑ کر تاک سے جاتا تھا۔

عورت بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم
جواب میں مسکراتا تو ضرور چاہئے، ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو
نہیں تھا۔ اس کے بتیوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا
بھوت اس کے سر پر سوار ہو گیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکل کر وہ عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف رو انہ ہو گئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیور
کر رہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک ویران
سرک پر ہوئی۔ قاسم نے ذرہ برا بر پروادہ نہ کی۔ تعاقب بر امداد جاری رہا۔
سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چنانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔

اچانک ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سرک
کے کنارے کھڑی ہو گئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو رکوانا چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے
پلت کر قاسم کی طرف دیکھا۔

”روک دو پیارے۔“ قاسم ہاتھ پا ہوا بولا۔ اسے توقع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسند چھوٹ پڑا۔
معلوم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

”ضرور پہیں گے۔“ قاسم بولا اور وہ ناشتے کی توکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی میانے لگا۔ پائیاں، چاپس، تلے ہوئے چوزے دستِ خوان پر رکھ دیئے گئے۔ قاسم کو اور چاہے بھی کیا تھا۔ عورت..... اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی راں پنکے لگی تھی۔

تھرماں سے گلاسوں میں شراب اٹھی لگی۔ دونوں نے گلاس نکرانے اور قاسم ایک ہی سانس میں اپنا گلاس خالی کر گیا۔ اس نے آج زندگی میں دوسرا بار شراب پی تھی اور اسے اپنا پچھلا تجربہ بھی یاد آنے لگا تھا۔ اچانک اسے اپنے باپ کا ہٹر بھی باد آگیا لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک ”مگزی“ سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اُس کا داماغ الٹ گیا۔

”جان من.....!“ وہ عورت کی گردن دبوچ کر بولا۔ ”میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور آدمی ہوں..... میں لوہے کی بری بڑی بلاخیں..... بلاخیں..... نہیں سلاخیں موز سکتا ہوں۔“ منہ سے گوہے کے لوئے نکال سکتا ہوں۔“

”گوہے کے لوئے کیا چیز۔“ عورت نے ہنس کر گردن سے اس کا باخھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ ”گوہے کے لوئے نہیں، لہے کے گوے۔“ قاسم نے کہا۔

”تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو..... لو اور پیو۔“ اس نے تھرماں سے اس کے گلاس میں اور اٹھیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کرنے اٹھا اور ایک بڑا سا تھر اٹھانے لگا۔ اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی اسے اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے۔ اس نے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھاں دیا۔ عورت حیرت سے منہ چھاڑے اسے گھور رہی تھی۔ لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔ قاسم کو کھڑے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

”اوہ..... تم آہی گئے ڈارلنگ۔“ عورت نے سریلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

”جاوہ تم جاؤ۔“ قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دونوں ٹھوٹنستا ہوا بولا اور اماج سے بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی سے نیچے لا ہٹک گیا۔

ٹیکسی واپس چل گئی اور قاسم وہیر، کھڑا ہانپتا رہا۔ عورت اس کا ہاتھ پکڑا۔ ہوئے تھی۔

”تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ.....!“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”مم..... میں..... ہاں میں بڑا پیارا ہوں۔“ قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

”میں تم سے محبت کرتی ہوں۔“ عورت نے کہا۔ اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

اُس کی آنکھیں بڑی چھک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ ”بڑی خونگوار شام ہے۔“ عورت بولی۔ ”آؤ ہم تھوڑی دیر کسی چنان پر بیٹھ کر دنیا کے غم بھول جائیں۔“

”بھول جائیں نہ۔“ قاسم ہکلایا۔

”آؤ تم میری مدد کرو۔“ عورت نے لہا اور اپنی کار سے ایک ٹوکری نکالی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ تھرماں اٹھایا۔..... قاسم نے ٹوکری اور تھرماں لے لئے۔ پھر وہ دونوں ایک طرف چلے گئے۔

وہ دو چانوں کی ایک درمیانی درازی میں آییں۔

”میں تمہیں ناب میں دیکھا کرتی تھی۔“ عورت بولی۔ ”میں بھی دیکھتا تھا۔“ قاسم نے کہا۔ ب اس کی بدحوابی کچھ دور ہو گئی تھی۔

”تم بڑے اچھے ہو۔“ عورت اس اور اس نے ناشتے کی ٹوکری سے دو گلاس نکالے۔ ”ہم ایک دوسرے کا جامِ صحبت پہیں گے۔“ اس نے کہا۔

قائم کا پہنچے گا۔ اب اس کے منزے آوار نہیں نکل رہی تھی۔ آخر اس نے بہت سوچ کر کہا۔ ”نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا گھونسہ دکھایا تھا۔“
”بکتے ہو.....!“ انگریز چینا۔

”اس سے پوچھو کیا میں نے اسے ایک بڑا وزنی پھر انھا کرنے کیا تھا۔ کوئی دس بارہ من رہا ہو گا۔“

”دس بارہ من.....!“ انگریز بگڑ کر بولا۔ ”اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو گا۔“
”نہیں والا قسم.....! یعنی کہ بائی گاؤں با لکل سچ کہہ رہا ہوں۔“

”ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔“ انگریز نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“
وہ اسے ایک ایسی جگہ لا دیا جہاں پھر کی بہت بڑی بڑی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ”ان میں سے کوئی ایک اختیارت ہو۔“ انگریز نے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں.....؟“

”اچھا تو جہاں میں کہوں ایک اختا کر لے چلو۔“
قائم نے جھک کر ایک سل اخھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اسے زیادہ دو نہیں جانا پڑا۔

”یہیں ساری سلیں اخھالاں۔“ انگریز بولا۔

”کیوں اخھالاں۔“ تمہارے باپ کا توکر ہوں۔

”گردن توڑ دی جائے گی۔“ انگریز اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”میں کیا کم ہے کہ میں نے تمہیں زندہ رہنے دیا۔... تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔“
”وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔“

”یکواں ہے۔... جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو۔... ورنہ مارڈا لے جاؤ گے۔“
”واہ اچھی زبردستی ہے۔“

”چلو۔... ورنہ تمہارا قیمة کر دیا جائے گا۔“

قائم نے سوچا اُرے پھنسے۔... نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گلاں جس سے ابھی تک ایک گھوٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اخھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قائم کئی لمحے تک بے ہوش رہا اور جب اسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنے کمرے میں سورہا ہے۔ اس نے کروٹ بدی اور اس کے نیچے خشک گھاس کر کر رہا گئی۔ وہ انگریز رہا تھا اور اسی اوٹگھنے کے دوران میں اسے وہ مگری سی عورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تھا وہاں سے اسے آسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چند صیبا ہو اچاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بھل کا بلب روشن دیکھ کر بولکلانے جاتا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس خمسہ پیدار ہوتے چارہے تھے اور اب اسے اس شور کا احساس ہوا جو اسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھر توڑے چارہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندر ہر سے دھوپ میں آ گیا ہو لیکن پھر اس نی سمجھ میں آیا کہ وہ بھل کی بہت عی تیز ستم کی روشنی تھی اور اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔

ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف جھپٹا۔

”تم جاگ پڑے۔... بدمعاش۔... سور۔... کینے۔“ وہ قائم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

”زبان سنگھال کے ذرا۔...!“ قائم کو غصہ آ گیا۔

”تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔“ انگریز نے سچ کر کہا اور قائم اردو میں ہکلانے لگا۔

”ارے تو بہ۔... ارے بیارے۔... نہیں تو والا قسم۔...!“

”میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

موت کی چنان

دنبر 13 میں ایسا نہیں ہوا۔ اسی نہیں اسے بھی زبردستی کی ایال کے سے بالا ٹھے۔ وہ اس وقت بھی ہوانا انسان دکھائی دیا۔ جس کی پیچھے پڑھوڑے کی ایال کے سے بالا ٹھے۔ وہ اس وقت بھی شنوں کے مل جل رہا تھا اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پر تیری سے چلنے لئے۔ وہ گھنٹوں کے مل چلتا ہوا گویا کام کی گئی انی کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہاں سے مارے لوگ چلے گئے۔ کام پر یہ تیری سے ہورنا تھا۔ فتحاً اس حیوان نما انسان نے گھنٹوں کے مل چلتے ہوئے ایک مزدور کو دولتی چھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جاگلکرایا اور چین مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔ کسی نے مزدor اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کام کرنے والوں کی نظریں سامنے ھیں اور ان کے ہاتھ مشینوں کی طرح چل رہے تھے لیکن چہرے تو مشین نہیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

.....

.....

.....

..... قاسم گزرے ہوئے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔
..... قاسم کام نہیں کرنا سالا! وحشی نے دماڑ کر کہا۔
..... قاسم اس کی پرواد کے بغیر اپنے اٹھانے کے لئے جھکا۔ دوسرے عی لمحے میں اس کے اوپر بھی دولتی پڑی۔ اگر قاسم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہیں پلک دیئے ہوتے تو اس کے چہرے کا ہر تین گلابی ہوتا۔

..... قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک لگی۔

.....

.....

.....

..... ”ہم سالوں کا گھوڑا..... سالم! وحشی نے ہنہنا کر کہا۔
..... ”تیری دم میں نمدا باندھوں سالے..... میں ہاتھی ہوں۔“ قاسم اس پر ٹوٹ پڑا۔
..... وحشی بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب وہ بھی سیدھا ہٹڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ ہونٹ کا نوں کی لوؤں تک پھیے معلوم ہو رہے تھے۔ قاسم تو غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اور یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ پھر اس سے لپٹ پڑا۔ لیکن قاسم نے دوسرے عی لمحے محسوں کیا کہ اس کا سارا جنم لو ہے کی طرح سخت ہے۔ دونوں زور کرنے لگے۔
..... اچانک کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قاسم کا دل بڑھانے لگے اور پھر اسے وہ

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ لوگ بڑے انہاک سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن سب انگریز نہیں تھے۔ انکی حالت جاہ تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جا رہا تھا۔ قاسم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں کچھ اسے پولیس کے حوالے نہ کر دیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آجائے گی۔ سلیں ڈھونکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کر رہے تھے۔

”اے تم ایڈھر سنو.....!“ انگریز نے ایک مزدور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اس موٹے آدمی کو کام بتاؤ۔“

مزدور نے قاسم کو اشارہ کر کے پاس بلایا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ قاسم نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”آپ آج ہی پھنسے ہیں کیا۔“

”پھنسا ہوں..... کیا مطلب۔“

”کیا آپ اس حرمازادے کا پیچھا کرنے نہیں آئے تھے۔“

”کس حرمازادے کا۔“

”وہی..... حضرت سلیمان کا گھوڑا۔“

”اے.....!“ قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”کیا وہی تمہیں لایا تھا۔ تو کیا تم لوگ وہی ہو جو اس کے پیچھے دوڑنے تھے۔“

”مجی ہاں..... اور اب ہم قیدی ہیں۔ ہم سے زبردستی یہ کام لیا جا رہا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھروا کر دیتا ہے۔“

”کون مارتا ہے؟“

”وہی جانور..... گھوڑا۔“

ابھی یہ نہستگو ہو ہی رہی تھی کہ قاسم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اسے وہ

چار اگر بی بھی آگئے۔ انہوں نے تحریر آمیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کش ختم کرنے کے لئے زور زور سے چیننے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ دوسرے کو زمین پر گردے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ ”سانو ٹھے ہٹ جا..... ورنہ بہت مار کھائے گا۔“

اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ وحشی کے ہاتھ پر کاپنے لگے اور وہ یکخت اچل کر یچھے ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا تھا کہ اسی آواز نے کہا۔

”مُهْرُو.....!“

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد اگر بی سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدو خال اور آنکھوں میں ہم آئنگی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل عی الگ ہوں۔ قاسم اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ جیر اللہ شاستری تھا۔

”ارے آپ شاستری صاحب۔“ قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

”ہاں میں ہوں۔“ جیر اللہ نے لمجھ میں بولا۔ ”تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔“

”اب بھی دوست ہی ہوں۔“ قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیر اللہ وحشی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”سانو ٹھے اپنے غار میں جاؤ۔“ وہ چپ چاپ ہاں سے چلا گیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ جیر اللہ نے قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لا یا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو دیسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے جیر اللہ کی بھیل زمین دوز دنیا میں دیکھئے تھے۔

جیر اللہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس کی شادی کسی گلگری سی عورت سے کر دے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

قاسم کی گھری

شیزان کے شیخ کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر نیجر کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کائند پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤ نشین بن کر حیب میں رکھنے لگا۔

”شیزان میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔“ نیجر بولا۔ ”پہلے کیپٹن پر کاش غائب ہوا پھر یہ قاسم صاحب۔“

”اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے سوت کیس میں تیس نیزار کے فوٹ موجود ہیں۔“ پولیس انسپکٹر نے کہا۔ ”وہ کوئی مغلس آدمی تو نہیں ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔“

”اوہ ٹھیک ہے۔“ پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤ نشین پن نکالتا ہوا بولا۔ ”آپ نے اس کا پیسے تو لکھوا یا ہی نہیں۔“

رشیدہ نے قاسم کا پیسے لکھوا دیا پکھد دیر بعد انور اور رشیدہ نیجر کے آفس سے نکل آئے۔ وہ دونوں کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

یہ لشکر بے اس کے حركات و سکنات مشتبہ ہیں۔ انہی نے اس کی جھلکاہٹ پر دھیان نہ دے کر کہا۔ ”یہ وزشام کو ایک سوت کیس لے کر لمبھ جاتا ہے اور شامدر رات گھروپیں نہیں آتا۔“
”تو کیا یہی..... وہ مشرب اون آئے۔“ شمشاد نے پوچھا۔

”جے لاجے لے پوئی، ملاں۔“

”سب سالہ بابل لے۔“ شمشاد نے ایسا۔“

پر اسرار خبطی آدمی ہے اس کے سامنے بادشاہ تھے تھے، ورنچے کے قریب گھرا خواب پڑا۔ اس کے ساتھ ملکہ بیوی، اس کے ساتھ اس کے بھوپول والاری گی لادہ تھا اور گھوٹکیوں سے اقتبل میں ھدود رکھتا۔ اس کے ساتھ بھروسے پڑے چھوپول والاری گی لادہ تھا اور پیروں میں محل کے کامار جوتے تھے۔

وقت وہ کسی کی آہت پر دروازے کی طرف مرا۔“
”آج تو اسی سلسلے میں تھا۔“ شمشاد نے ایسا۔“ آج تو اسی سلسلے میں آج کا اور پھر سیدھا دروازے میں فیلڈ گھرا تھا۔ وہ نہایت اوب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہے،“ شمشاد نے کہا۔“ آج کا ایسا۔“ اس کے ساتھ پڑھتے تھے۔

”بُور جھی۔“ اس حکم کا سے پر تھخڑ کر کیس کے دوسریں بھیں بھاگ جاؤ۔“ نکلو یہاں کے۔“ ہم بہت مشغول ہیں۔“

”یعنی ہم اس بات کی ایسی نہیں۔“ آج کے ملک نے یہاں پہنچتے۔

”تمل نہیں۔“ یعنی ہم بہت ضروری ہے۔

”ایسا جھاٹ تو جوں۔“ دیوانہ نے اسی سلسلے میں ایسا کہا۔“

”فیلڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔“ اس وہ جھک کر بولا۔“ اچھا جھی۔ جہاں پناہ کی مرضی۔“

اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی چھیل گی۔“ ایک آدمی سننے کمرے میں آ کر روشنی کی دیوانہ بدستور جھلائی پیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔“ میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔

”اوہ دیوانہ جو کمک کر مرا۔“ آدمی باہر جانے لگا۔

”دکھبرو۔“ دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ آدمی رک گیا۔

”کیا تم بتاسکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔“ دیوانہ نے کہا۔

”انور۔“ اب ہمیں یہاں سے چل دیتا چاہئے۔“ ”اریں الہ بھائی، ان بھائی۔“
”دیکھو۔“ سپتھ، ساہنہ ان بھائی میں لے لیا۔“ شمشاد نے اس کے ساتھ لے لیا۔“
”دیکھو۔“ اب میں یہاں بھی خستہ تھا جو تھا۔“ شمشاد نے اس کے ساتھ لے لیا۔“
”لطفوں سے جانکری ہوں۔“ اس کا لذپاک سوٹھا۔“ لطفوں سے جانکری ہوں۔“

”ہم آج عی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”تم جاؤ۔“ مجھے مجبور نہ کرو۔“ کہا۔

”خواہ خواہ بات نہ بڑھاؤ۔“ اب تک یہاں جھک عقی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے کیا معلوم کیا اب تک۔“ کیا کیا۔!

”پچھی نہیں۔“ لیکن ارجمندی والا واقع مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔“

”وفیں تمہیں اس معاطلے میں تاگنگ نہیں اڑا کیے دوں گی دیکھجئے۔“ رشیدہ بولی۔“ آج تھا۔“

”آج تھمہیں آج ہی یہاں ملے خور کرتا ہو گا۔“ معلوم ہوتا تھا کہ لقاوم کے لیے خردی نہیں۔

”لگ رہا ہے۔“

”میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔“ نکوڑ تباہ، نکوڑ نکتہ نکتہ میں اسے نکتہ۔

”ارر۔“ تو اس میں گزرنے کی کیا بات ہے۔“ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا بڑا کافی ہے۔“

”آج تک ہے ہاتھ آرہی تھی۔“ کیا اس کی دولت اسی حکومت کا عشرہ عشیر بھی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔“

”اووز نے جواب میں پچھنیں کہا۔“ اس کی نظریں مورگن کا تقاضہ کر رہی تھیں جو اپری منزل سے نیچے آ کر صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

”پس اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ اس نے رشیدہ تھے پوچھا۔“

رشیدہ بدستور جھلائی پیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔“ میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔“

”نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگا تھا۔“

”تو میں کیا کروں۔“ رشیدہ چھنجلا کر بولی۔

دیوانہ کری پر بیٹھا جھومنتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ اُس کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچے ایک آدمی اور تھا۔

”ڈاکٹر..... اشیڈی میں بیٹھا ہے۔“ فیلڈ نے مڑکر دوسرے آدمی سے کہا۔
”اسے بلا لاو۔۔۔!“

دوسرा آدمی چلا گیا۔۔۔ فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ ”اوہ ڈاکٹر..... دیکھتے..... دیکھتے.....“ فیلڈ غناک لبجے میں بولا۔ ”بچا آر تھر کو آج پھر موقع مل گیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بنا دالی۔“

ڈاکٹر نے بیگ کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ”دیکھتے میں عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کر ادھیجنے یا پھر انہیں تہرانہ چھوڑا جائے۔“ ”میں کیا بناوں۔“ فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”کبھی کبھی غفلت ہوئی جاتی ہے۔“

”دیکھتے.....!“ ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے زخمی بازوؤں پر سے لبادے کی دھیاں ہٹا چکا تھا۔ ”یہ زخم کبھی نہ کبھی زہر باد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت نگرانی میں رکھئے یا پھر کوئی اور معانع ڈھونڈ لجئے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔“

”اب کیا بناوں۔۔۔ سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔“
”تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کر ادھیجنے۔“

”نہیں پہ مجھ سے نہیں ہو گا۔۔۔ پاگل خانہ۔ میرے خدا۔“ فیلڈ نے کسی خوفزدہ نیچے کی طرح کہا۔

”تو پھر ان کی حفاظت کیجیے۔“ ڈاکٹر نے بیگ سے سرنخ نکال کر سوئی اس میں فٹ کرتے ہوئے کہا۔ اتنے میں جو لی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے بلکل ہی نیچے نکلی۔

”شہنشاہ عالم.....!“ وہ آدمی تنظیماً جھک کر بولا۔ ”آپ ساری دنیا کے بادشاہ ہیں۔ مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔“ ”لیکن میر انام کیا ہے۔“ دیوانہ جھنگلا کر بولا۔

”جس کا جو دل چاہتا ہے کہتا ہے۔“

”تم گدھے ہو۔“ دیوانے نے جیخ کر کہا۔ ”نکل جاؤ یہاں سے۔“
وہ آدمی ایک بار پھر تنظیماً جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹھل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رک کر ہاتھ سے اپنی پیشانی رکھنے لگتا اور پھر اچانک وہ جیخ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں اس وحشی پر جنم ہوئی تھیں جو گھنٹوں کے مل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پیچ کر دہ رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھوڑہ تھیں۔ اچانک وہ تیزی سے پلٹا اور اتنی ہی پھر تی سے صوفے پر دولتی جھاڑ دی۔ صوفہ الٹ گیا۔ دیوانہ دوسری طرف گراں کن اس کے منہ سے آوازنک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا۔۔۔ دوسرے لمحے میں وہ اپنے خونخوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ چھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہا ہوا ہاتپ رہا تھا جیسے وہ کوئی نہیں میں کی چڑیا ہوا اور ایک بڑا سا شکر اسے نوچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے بازو بھینجوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس نے اس کے بازاوس طرح چجائے کہ خون بہنے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک بلکل ہی نہہناہٹ کے ساتھ پیچے ہٹا اور اپنی براؤن رنگ کی میلی پتلوں کے جیب سے کاغذات کا ایک پلنڈہ اور فاڈنیں پن کا لے پھر اس نے زخمی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بٹھا دیا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاڈنیں پن تیزی سے کاغذات پر چلے لگا۔
وحشی ایک ایک کافندالگ کرتا جا رہا تھا۔
تھوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیت کر اپنی جیب میں ٹھوٹے اور فراہمی در پیچے سے باہر چھلا گلگ لگا کر اندر ہیرے میں غائب ہو گیا۔

"چا آرخر ۱"

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چما کر سکیاں لیتے گئی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کی پیٹ پر ہاتھ پھرنا لگا۔

ڈاکٹر انجشن دیے چکنے کے بعد بولا۔ "مسٹر فیلڈ! ایسے دلوانے جو دوسروں نے لے بے ضرر اور اپنی ہی بوٹاں تو پچھے والے ہوں کی وقت بھی مر سکتے ہیں۔"

جوں نے باقاعدہ روٹا شروع کر دیا۔

ایسے اس نے کہا۔ "تھاں پر ہاتھ دے کر کہاں ملنا... یا الائون، آئون۔"

چنان آئندہ آئندہ۔ اب ایس نے لانگھنیاں

ارجن گھائی پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ انسان میں خیال ابدال ریکارڈ ہے۔ ایسا علم

ہے جو ہاتھ میں ٹھوڑی ہی دیر میں بالآخر شروع ہو جائے گی۔

گھائی ششان تھیں تھی۔ وہاں کمیں دن سے ملٹی کا ایک دستہ معین تھا اور اس وقت

فوجوں کے جیمون میں کہیں بھیں۔ وہی دھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ بچے گھائی ہی میں

نشستھا اور اپنے چاندیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سامے سننے بچے گھائی میں

جھٹکا اور آہستہ سے دوسری طرف ریکارڈ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تھی جس نے ذریعے وہ وحی آدمی کا عاقاب

کرنے والوں کو آپنے سامنے جایا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چانوں میں بھک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

ایک بار اس نے کچھ مہم نے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا لیکن جہاں چانوں پر

گرد کی تھیں تھیں وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

شنبہ ناچ دیواریں اُن کے میجر تھرست سے رابط قائم کرنے کی صورت میں تھیں تھیں ہو گئیں کی تھیں۔

حید و اسے واقعے کے بعد نے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پیش منظر میں

جیر اللہ ہی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیر اللہ کے انجام کے متعلق اس کی رائے شروع

ہی سے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیر اللہ جسی شخصیت خود کی مرتعنگی ہے، اس کی بھائی تھیں اس اسی تھیں تھا کہ ان کا اس کی داشت بین صدائی کا قتل حصل اپنے بھائی قسم کا جو تم نہ تھا جو حضولِ دولت کے لئے کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیر اللہ کے اچاس ہائل کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جعل میں بدل بوجتے پر وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے آدمیوں کو معمولی چوروں اور بڑوں کو پھیل کر کوئی نہیں کر لیتی تھی ہوئی گئی۔ فریدی تھے وہیں میں کئی بڑی بڑی دیکھیوں کا تھیں جس کا اٹھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ یہ ساری دیکھیاں بڑی بڑی دیکھیوں میں ہوں گیں اور بڑوں کو پھیل کر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ پرانے پرانے میں عمل میں اُن کی تھیں تھیں کہ جھیل کے سراغ اڑا کاں اور دوڑا تکرنا نہ اُن کی کر کو بھی نہیں بچنے سکتا تھا۔ لیکن جیر اللہ کا تھی کہ اُن کی دیکھیت کی باء معاً کا جاتا تھا۔ کروہ کشی ایک ہی گروہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ میاں کے پاؤں کا دبہ تھا۔ اپنے دبہ کا دبہ تھا۔ رائے نہیں اُن شاہزادیوں کے لئے

جیر اللہ تھا۔ اس کی دیکھیت کی باء معاً کی تباہی کے بعد سے اب تک کی بارہ فریدی پڑھے جسے بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف سمجھ گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے روپ میں ہوتے ہوئے سے قبل اس نے یہیں سوچا تھا کہ وہ جیر اللہ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی بناء پر شہر کے سارے ہی جرام پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کائنے کی طرح کھلتا تھا۔ اس لئے اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جاسکا تھا اور اب جیر اللہ ہی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے شب و روز اس کے لئے وقف کر دیجئے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس مکان کی گمراہی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنے ایک قیدی کی حیثیت سے گزارنے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک اس کی بھجھ نہیں تھیں ایسا تھا۔ حالانکہ وہ اس اسے لپیٹ بھی جیر اللہ تھا لیکن کوئی نکرتے نکے ایک بڑا استھان کے سوخت میں دیکھ چکا تھا مگر یہ الحیثیت شدہ اس دیوانے کو جیر اللہ تھجھے لیے پر قلعی اتار نہیں تھا اور مگر اس دیوانے کو جیر اللہ تھا تو اسی حیثیں کا مقصد سچی تھی کی زیوگتی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن اسے جرالد میسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں رینگتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اُسے یہ رات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کرنی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ پھسلتی ہوئی سی معلوم ہوئی۔ اس نے اُسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے نسخی سی نارج نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگلی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلاں کی گھڑی تھی جس کی نوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھوول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چوک پڑا۔ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا نام کندہ تھا۔ فریدی نے اُسے پیچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی گھڑی تھی۔ پھر اسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھنی بھی میں جس پر پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشان بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔
بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

چٹانوں میں

ٹکلا جا سکتا تھا۔ دوسرا لوگ بھی کام میں معروف تھا اور وہ انسان حما گھڑا اللہ کی گلگالتی کو سیا
تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی گھر قام کے کاتلوں پر جعل
تک نہ رہ گئی۔ وہ گھری محرومی لڑکوں کے خیال میں مگن تھا اور جرالد کو تاراں کرتا تھا۔ لیکن چلتا
تھا۔ اچاک اس نے گھڑے کو خالب کر کے کہا۔

”آبے اُو۔۔۔ وہ سیری گھڑی کہاں ہے؟“
”کیا گھری۔۔۔؟“

”کیا۔۔۔؟“ قام جھلا کر بولا۔ ”تونے کل شام کو مجھ سے لے چکی تھی۔“

”ہم نہیں جانتا گھری وری۔۔۔ سلام اپنا کام کرو۔“

”ابے تم خود سالا۔۔۔ قام غصیلی آواز میں بولا۔۔۔ میرے سالے کا سالا۔۔۔ تھرے سے
بات کیا کرو۔“

اس کے جواب میں وہ قام کو جوچ کھا کر ہٹنے لگا۔
قام کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔

”دیکھا۔۔۔ اسے شرم نہیں آتی۔۔۔ گھوڑا ہو کر جوچ دکھاتا ہے۔۔۔
لوکیاں ہٹنے لگیں۔۔۔

”تمہیں سیری گھڑی واپس کرنی ہو گئی۔۔۔ وہ اُسے گھوڑہ کھا کر بیٹھا۔۔۔

”اوے۔۔۔ تم اپنا کام کرو۔۔۔ ایک لڑکی نے کہا۔۔۔ اس جنگلی سے مت الجھو۔۔۔

”تو گھڑی اسے ختم کر جانے دوں۔۔۔ قام نے جھلا کر کہا۔۔۔ جاتی ہو کتنی تھتی گھڑی
ہے۔۔۔ آل پالٹھم اور ڈائل پر ہندسوں کی بیکڑ جاہرات ہیں۔۔۔“

”اوے۔۔۔ گھر تھے نے اسے دی عی کہوں تھی۔۔۔ لوکی بولی۔۔۔

”اس نے کہا میں ابھی واپس کر دوں گا۔۔۔“

”شب تو مل چکی۔۔۔ لوکی پس پڑی۔۔۔ وہ کہیں پھینک آیا ہو گا۔۔۔“

”میں اس کے باپ سے بھی وصول کر لوں گا۔۔۔ قام گردن جھلک کر بیٹھا۔۔۔ یہ رہ جھٹی سے

ٹکلا جا سکتا تھا۔ دوسرا لوگ بھی کام میں معروف تھا اور وہ انسان حما گھڑا اللہ کی گلگالتی کو سیا
تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی گھر قام کے کاتلوں پر جعل
تک نہ رہ گئی۔ وہ گھری محرومی لڑکوں کے خیال میں مگن تھا اور جرالد کو تاراں کرتا تھا۔ لیکن چلتا
تھا۔ اچاک اس نے گھڑے کو خالب کر کے کہا۔

بے کہا جائے لائے؟ بتاہے بیٹے ہے میں شاستری صاحب سے کہوں۔“ بے کہا جائے لائے
سچ پر جو شیخوں کے ملن روزتا ہوا اس کے تباہ آیا اور خشم لاملاجے انداز میں اس کے پیر بانے
لئے پلکیں نہیں پالا تم اس سے تباہ ہے کیا؟“ اس نے کہا ہے مل ہے۔“ شے سے
”ہا میں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آپی ہے کیا؟“ لاملاجے اسے پر
”سالو ٹے! بھاگو یہاں سے۔“ ایک بڑی پیسے اسے لکھا۔“ بے
اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھری بہت قیمتی تھی۔ قائم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو جو شیخی کی غار کی طاشی ضرور ہے
گا وہ شاستری سے بھی شکایت کر سکتا تھا پھر سوال تھا لاقات کا۔ وہ اپنے سے ہر فرست ایک علی بار
د مل جھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ لہوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا
جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طریقہ کار کیا ہے؟

احمید کی دلائل نہیں تو سینی مناسبت بدھ کار وہ قیلڈ کو پکڑ کر اس نے جیر الد کا پتہ پوچھتا۔
پکڑ کو اپنا قیدی بنا کاڑ پولیس کو ہوا میں نہ لگنے دینا اس نے پہلے بھنی تو وہ کی بارگی طریقہ اختیار کر کا تھا۔ بعد اس دلائل اسی دلائل کی وجہ سے اس نے آتے سے
ادھر اسی دراون میں ایک دوسری بات کا اکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن ہے۔
کے نام آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میجر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور اس کی روپر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے نیجر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن کے نام کے تاریخ باریا آئتے رہتے تھے لیکن وہ انہیں واپس لکھ دیا تھا لہذا ہے کہ جب ذہاں کوئی مسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میجر نصرت نے تاریخ سے رجوع لیا
وہ واپس ملکے ہوئے تاروں کے فارم نکولا اپنے تھا لیکن وہاں اسے جو بھروسہ ملادہ جریئت انگریز
کا پوسٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کی تاریخی والی انہیں آیا۔ شب وصول ملکے گئے
ہیں۔ اسی بارہ بائیتھنے والوں کی پیوں بکیں نکولاں کیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔
لیکن ایک کا بھی طرزِ حریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں سے مختلف
وقات میں تاروں کے دستخط تھے ہیں۔ اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسی کہیں آدمی کے
انگریزی کے لفظ کی نقل کر دی ہوئے جو انگریزی سے قطعی ناپلڑ ہوئے یہ چیز حیرت انگریزی۔ اس
کے لئے تاریخ بائیتھنے والوں نے باز پس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تاریخ شیزان ہوٹل میں
میں وصول کئے گئے۔ میجر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے نیجر کا بیان کر کے
تاروں کے لئے اور حکم تاریخ اس بات پر مصروف کہ تاروں اپنے نہیں آئے اور انہیں شیزان ہی میں
وصول کیا گیا۔ لیکن اس کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا کہ دشخواروں میں اختلاف کیوں ہے۔
ما جیہر حال اخبار میں یہ بنت پکجھ دیکھ کر حمید بھنی الجھن میں پڑ گیا تھا اور اس بات سے وہ
واقف تھا۔ کہ شیزان نے نیجر نے اپنی گردان پچالی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو سارے تاریخ
واپس کر دیے تھے۔ اب اگر اس کے باوجود بھنی تاریخ بائیتھنے والے کسی غلط آدمی کو تاریخیے جائیں
تو اس میں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھنی قاعدے کی خواہ سچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

”قطعی.....لیکن یہ۔“ فریدی رنگین کپڑے کی دھنی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ بھی
نگھٹی کے قریب تھی۔“

”اس کا کیا مطلب.....!“ حمید چونک پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”ظاہر ہے اس
کپڑے کا بابس کسی عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔“

”تمہیں.....اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔
”تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔“

”میں مل رات اس چنان پر نشان بنا آیا تھا ہو سکتا ہے کہ راستہ ویسے کہیں قریب ہی ہو۔
کل رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آتا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔“

”آپ کے لئے ایک دوسری اطلاع بھی ہے۔“ حمید نے کہا اور براؤن کے ٹارکا واقعہ
دہرا دیا۔

”میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو جگہ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”فرزند ایسا بات
اسی وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس ٹارکے متعلق چھان میں کی تھی اور مجھے
معلوم ہوا تھا کہ وہ شیزاد میں براؤن کے نام پر پہلا تاریخیں تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ
تاروں کا کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی.....کیوں؟“

”ٹار باشند والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے
اشتباہ مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ
سارے ہی ٹار باشند والے براؤن کے آدمی ہو سکتے ہیں۔“

”ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر آخڑا تار کا کیا حشر ہوا۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔

”بیتا ہوں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فرض کرو کہ تم ایک ٹار باشند والے ہو۔
تمہارے پاس کئی ٹار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جسے کسی نے لیا نہیں۔ بہر حال تم اسے
والپس لئے جا رہے ہو۔ تمہیں اس ٹار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم ففتر پہنچ اور تم نے اپنے

حمدیہ جو ہی سے ڈائیکٹ ہاں میں بیٹھا اور لور ریشنہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا میر
اسے الیات پر صحیح ستوں میں خٹکی کر جتنا ہے اس کا عشرہ ستر بھی اور کہیں معلوم۔
رالٹ کے آٹھ بجے پہلے تھوڑا حمید کھانے سے قارئ ہو کر اتنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک
مشترے اسے فون کیل کی اسلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ بیکار فون کاں تھی اور اس کی
اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو غصیں تھا۔ اس لئے بھی تجھے کلا جا سکا تھا کہ وہ کال
فریدی ہی کی تھی۔

”ھیتا فریدی ہی کی فون کاں تھی اور فریدی نے اسے دن بیجے رات کو رانی باغ کی
اترائی کے قریب پہنچایا تھا۔

حمدیہ کو یاد آیا کہ فریدی کا اکاٹی عار رانی باغ کی اترائی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔
حمدیہ تو یہ بحالت عکر کر ٹھیک دس بیجے رانی باغ کی اترائی کے قریب پہنچ گیا۔

آج بھی مطلع ہے آلود ہونے کی وجہ سے گھری تار کی تھی۔ حمید کو انتشار نہیں کرنا پڑا۔
فریدی اسے اپنی اکاٹی عار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ فریدی اس بے
صرف مسلمان کے عالم میں بھی کسی دن شوکر نہیں بھولتا اور اس کے کپڑے بھی گندے نہیں تھے۔

فریدی تھوڑا گھٹری حمید کو دکھلی جو جھیل رات ارجمند کیلی کی ایک چنان پر پڑی تھی۔
”اوہ.....یہ تو سو یصد قائم ہی کی ہے۔“ حمید بولا۔ ”تو اس کا یہ مطلب کہ قام جبر اللہ
ہی کے پھرے میں پہنچ گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ لے لیا۔ حمید نے پھر کہا۔ ”بھی میں نہیں آتا کہ آخر جبر اللہ کو قام سے اتنی
لیکی۔ جھیل یا ریسی اس نے اسے اخوا کیا تھا۔“

”قام قام کا آدمی ہے خوسما ایسے موقع پر۔“ فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ”جبر اللہ
الپیچ لئے تھیں وہ وہ دیتا تحریر کر رہا ہے کیا قام ایک اچھا ہر دوستہ ثابت ہو گا۔ وہ غیر معنوی
ٹھہر پر طاقتور ہے۔“

”تواب قام کے عائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔“ حمید نے کہا۔

”نمیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مندوش ہو جاتی ہے۔“
پھر وہ خاموشی سے راستے کرنے لگے۔ حید قدم قدم پر لڑکھڑا رہا تھا۔ اور پر نیچے گزھے..... دراٹیں..... اور کائٹ دار جھاڑیاں۔
”اس پاکل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔“ حید نے پوچھا۔
”کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو لہبان کر لیا تھا۔ اپنے کپڑے چھاڑا لے تھے۔“
”بھجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلا.....؟“

”انتا میں جانتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔“
”اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوں کتے تھے۔“ حید نے کہا۔
”ناممکن..... کیا تمہیں عرفانی صاحب لے والی ذاری کی تحریر یاد نہیں۔ حیر اللہ کے گروہ
لے اپنا راز بتانے پر مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر حید نے پوچھا۔
”کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔“
”نمیں..... میں اسے ایک ہلاکا سبق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغفرور
کیا ہے۔“

”مغفرہ تو آپ بھی ہیں۔“ حید نے کہا۔
”لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا
تراف بھی کر لیتا ہوں۔“

”وہ ارجمندگھائی کے قریب پہنچ گئے۔ اب فریدی حید کو جس راستے پر لے جا رہا تھا وہ
مدراجہ دشوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حید کی سانس پھولے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے
کے بجائے سینے کے بل ریگ رہے تھے۔“

” غالباً یہی وہ جگہ تھی۔“ فریدی نے چھوٹی سی تاریخ نکال کر اسے روشن کرتے ہوئے
ہمارا..... دیکھو یہ نشان.....!“ اس نے پھر تاریخ بھجا دی۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ حید نے سوچا

اس کے لئے ”جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

لے یہ.....“ مادل تھا۔ میں دیکھا۔ جس دیکھا۔ میں دیکھا۔ میں دیکھا۔ میں دیکھا۔ میں دیکھا۔
کاغذات جمع کرنے کے لئے نکالے تو وہ تاریخ غائب تھا جسے تم نے واپسی کرنے تھا۔ بیتاو تم ایکل۔
صورت میں کیلکار کرو ہے۔ اپنی جان پچانے پکنے بنتے ہی کپڑوں کے ناک و سول بیالی کو اس خانے
میں اس آدمی کے دستخط کر دے جسے وہ تاریخ پچانا چاہے تھا۔ اس اگر بیوچھ بیوچھ ہو تو تم پسی کہہ کر کہ کی جسی
ٹک پیچھا پھر ایسکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر پھانپھیں۔ اس نے نہ کہا وہ
براؤن ہے اور تم نے اسے تاریخ دیا۔“

”تو کیا وہ ساری بے دستخط تاریخیں والوں پر ہیں۔“ حید نے چھتے ہے کہا۔
”سو فیصدی بھی بات ہے۔ میں بنے ان سب پرے اقبال کر لیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا
تھا کہ ان غربیوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصوڑی لیکن تاریخیں کوئی کی جیبوں پرے غائب
کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جو شیزاد میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔“

”کمال ہے۔“ حید بڑھا۔ ”لیکن تاریخیں والوں نہیں یہ بات سمجھ پھرست کوئی نہیں پتا۔“
”میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ سمجھا رہا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کر لیجوں
نے تاریخیں کے تھے۔“

”آخراں میں کیا مصلحت تھی۔“ فریدی بڑھا۔ ”لیکن اسی بات پر اسی طبقہ کا
”محض ان غربیوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ پتا پڑتے لیکن
طریقہ کارنے اگلوں ہی لیا۔“

”آخروہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے تاریخ اپنے۔“ حید خود سے بولا۔ ”کیا مورگن۔“ پھر
اس نے چوک کر کہا۔ ”خوب یاد آیا۔“ مورگن اب تاریک ٹیشوشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔
”خوب.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولے۔ ”اچھا ہے۔“ میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ میں
بالکل سیاہ لباس میں چلنا ہو گا۔ تمہارے کپڑے وہ ادھر رکھے ہوئے ہیں۔“

”وہ جلد ہی تیار ہو گئے۔“

”مادل تو آج بھی ہیں۔“ فریدی بولے۔ ”لیکن بارش کے امکانات نہیں۔“

”اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگرتا ہے۔“ حید بڑھا۔

اس نے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تھا ہی ہوگا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک گیا تھا اور اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بیکلی پیدا کرنے والے جزیرت کو وہاں کے لوگوں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ جزیرت ہی کسی خاص قسم کا رہا ہوگا..... بے آواز۔“

قاسِ اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر قیم غار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی تنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف ایک بلب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ سائنس پاور کا رہا ہوگا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی روشنی ناکافی تھی۔

قاسِ کو سانوٹے کا ٹھکانہ معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار میں داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے موجود نہیں تھاں کچھ دیر قبل شاید وہ نہیں رہا ہوگا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے تھے۔ قاسِ نے سوچا موقع اچھا ہے کیون نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے گھڑی نہیں کہیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسِ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو وحشی لیکن اس کے استعمال کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پر تکلف تھیں۔ وہ نہایت نیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔ اس کا بستر بھی پر تکلف تھا۔ سامان میں قاسِ کو عمدہ قسم کے سینٹ کی شیشیاں بھی میں۔ ایک ایم دکھائی دیا جس میں زیادہ تر نئی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکوں کی طرف سے لکھے گئے تھے اور پورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھڑی نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی توں رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسِ بنے وہاں جماں کر دیکھا لیکن تاریکی کی وجہ سے کچھ بھائی نہیں دیا۔ اس نے پلٹ کر سانوٹے کی نارچوں میں سے ایک انھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں میگزین چڑھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کسی حلے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا ہو۔ قاسِ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں

چلوغیت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آجائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ فریدی پھر ریگنے لگا تھا۔ طوعاً و کرہاً و بھی بڑھا۔ فریدی نے اُبھری ہوئی چنان کے گرد ایک چکر لگایا۔ باریکی شعاع والی تاریج روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چنان کی جز میں ڈال رہا تھا۔ فتحاً میر کو ایک جگہ ایک درازی نظر آئی۔ اتنی بھی اور چوٹی کے ایک آدمی لیٹ کر باس انی اس میں ماسکتا تھا۔ فریدی نے دراز میں تاریج ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

”اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔“ اس نے سرگوشی کی۔ ”وہ گھٹائی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اوپرچاری پر تھے اور ان سے فوج کا پڑاؤ بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسِ دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمولی قیدیوں کا سا برناو کیا گیا تھا۔ گھڑی کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشتی کی عنا آگئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پھر سے ایک کر گر گیا اور انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا اور قاسِ کو انہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

روہ گیا جیر الدا کا معاملہ تو وہ پہلی ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر بھی قاسِ سہوا بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یورش ہو جاتی تھی ساتھ والی لڑکیاں تک اسے ڈاٹنے لگتی تھیں۔

قاسِ پیال کے بستر پر پڑا غصے میں مل کھاتا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھڑی کی یاد ستابے لگی۔

ہو سکتی ہے۔ اب ان جھاڑیوں کی نوچیت پر غور کرو۔ خلک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رنگت جوں کی توں برقرار رہتی ہے۔ لہذا یہ کافی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔ پھر اس کے علاوہ ان کا دوسرا مقصد ہو یعنی کیا سکتا ہے۔ آخر یہ یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔“

”آپ تو ذرا ذرا سی با توں پر.....!“

”اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔“ فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔ پھر وہ حمید کی نظر وہن سے غائب ہو گیا۔ حمید دل ہی دل میں تاؤ کھارہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ حق عمار جیر اللہ کی پناہ گاہ ہے تو بھی فریدی کو اس میں تھا داخل ہونے کی حماقت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی جیب میں روپا اور شٹو نے لگا۔ وہ بھی غار کے اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

پھر اسے اندر مدمم ہی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی ٹارچ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تارچ کا رخ دراز کی طرف ہو گیا۔ فریدی اسے ہلا رہا تھا۔ یہ حمید کے لئے بھی اتنے کا اشارہ تھا۔ حمید کو پیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ غار کافی بڑا اور غیر مسطح تھا۔ اس غار میں کچھ چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آرہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ حمید نے بھی اسے اچھی طرح دیکھا بھالا۔۔۔۔۔ ایک جگہ انہیں جوتا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کہی جگہ سگریٹ کے جلنے ہوئے ٹکڑے شراب کی بوتوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

”دیکھو یہاں بھی ولیکی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے اور بوتوں کے کاگ۔“

”یہ غار جیر اللہ کی پناہ گاہ نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا یہ مکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ کے لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔“

”وہ عیاشی کس قسم کی ہو سکتی ہے فرزند۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک تھا آدمی کی عیاشی سمجھ میں نہیں آتی۔“

آگئی کوہ غار نہیں بلکہ ایک سرگن ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشائی ہے۔ سرگن کافی کشادہ اور اوپری تھی۔ اتنی اوپری کہ قاسم انہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نکلنے کا راستہ تو نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ کسی نے پیچے سے اس پر حملہ کر دیا۔ قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ تارچ اس کے ہاتھ سے گز کر بجھ پچلی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محosoں کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔ اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹھ پر پڑ گیا تھا جس پر لبے لبے بالوں کی ایک پتلی ہی لکیر تھی اور اس کا جسم اور ہے کی طرح سخت تھا۔



فریدی نے پھر دراز میں ہاتھ ڈال کر تارچ روشن کی۔ حمید بھی رینگتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی دراز میں جھانکا۔۔۔۔۔ وہ واپس اساغار تھا۔ ”کیا خیال ہے۔“ حمید نے سرگوشی کی۔

”ہوتا ہے۔“ فریدی پچھے سوچتا ہوا بولا۔ ”بڑی مناسب جگہ ہے۔ سامنے والی بڑی چنان اس دراز میں گھائی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں دیکھ سکتے۔ اور پھر یہ دیکھو.....!“

فریدی ایک گڑھے میں ریگ گیا جس میں کائنے دار جھاڑیوں کی بہت سی کثی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

”آخر یہاں ان کثی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔ انہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاث کر دیا ہے..... ماں ذیر سوچو.....!“ فریدی کی آواز جوش میں کپکپانے لگی۔

”کیوں..... ان جھاڑیوں میں کون ہی خاص بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اوہ..... اگر انہیں اس دراز کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراز کی طرف دھیان نہیں دے گا۔ بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچے کوئی دراز بھی

”تو کیا وہ سب ایک جو تا چھوڑ جانے کی اکیم بنا کر آئے ہوں گے۔“ حیدر مس پڑا
”تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھائی کیلئے تیار تھے
اور پھر یہاں سے تو بھائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم باہر دراز کے سامنے جم جاؤ۔“
”او بابا..... تو پھر کیا ہے۔“ حیدر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اپنے مقدر میں تو بس
ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہو سکتا ہے جو اس وحشی کے پیچھے
بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے کپڑا کرو اور پالی دراز میں ٹھوٹس کر یہاں
گرایا جاتا رہا ہو گا۔ اور پہلے ہی سے پکھ آدمی ان کے منتظر ہے ہوں گے۔ دراز کے سامنے کی
چنان، دراز والی چنان پر اس طرح جگلی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دونوں
کے درمیان فاصلہ کو نہیں دکھ سکتے۔ اسلئے وہاں میں آدمی با آسانی چھپ سکتے ہیں۔“

”اب میں اپنا سرگی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا۔“ حیدر اکتا کر بولا۔

”کیوں؟“

”آخر وہ سب سالے ہیں کہاں؟“ حیدر نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”مجھے تو آگے
جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔“

”معاملہ جیر الدا سے الجھا ہے، بیٹے خال..... کسی تھوڑا ہو خیراتی سے نہیں۔“

فریدی پھر شارج کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

”اے.....!“ وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ اس نے کہا۔ ”پھر بارش شروع ہو گئی۔ چلو نکلو جلدی۔“

وہ غار کے باہر آگئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلاکا ساری شاخ شروع ہو گیا تھا۔ وہ وادی سے
دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگے۔



وحشی نے قاسم کے بازو پر منہ مارا اور قاسم کی چین بٹل گئی۔ ”وسرے لمحے میں اس کا
کونسہ وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندر ہیرے میں نہ جانے کا ہر لڑاکہ گیا۔

”سالے.....!“ قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچاک اندر ہیرا دور ہو گیا اور پوری سرگٹ میں کمی بلب روشن ہو گئے تھے، اور سانوٹے
ہاتھ میں روپا اور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں اپر اخدا ریے۔

”شم سالا بھاگنا مانگنا۔“ اس نے روپا اور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔

”اچھا چلو.....!“ قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ ”مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی
ہاتھ سے جائے گی۔“

”چالو.....!“ سانوٹے چھکھاڑ کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر چل رہا تھا۔

چلنے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بپک گئی اسے وہ ابم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے
سامان میں دیکھا تھا۔

”سالے تم آوارہ ہو۔“ قاسم رکا اور پیٹ کر بولا۔ ”گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم
نہیں آتی۔“

”شم کیا جانے۔“ سانوٹے اسے گھومنے لگا۔

”میں نے تمہارا الہم دیکھا ہے۔“

”شم سالا چور.....!“

”نہیں پیارے.....!“ قاسم مسکرا کر بولا۔ ”وہ تو بڑی اچھی ہیں۔“

”شم دیکھا کیوں؟“ سانوٹے نے گرج کر کہا۔

”میں اپنی گھری تلاش کر رہا تھا۔“

”گھر بی گیا..... سالا جنم میں۔“



”تم اگر وہ الیم مجھے دے دو تو میں گھڑی نہیں مانگوں گا۔“ قاسم نے کہا۔
”نہیں ڈے گا..... تم چالو..... نہیں گوئی مارتا۔“

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں بیٹھ کر اس نے کہا۔ ”اچھا ایک بار دکھائی دو۔“
سانوٹے ہنسنے لگا۔

”الا قسم میں بھاگ تھوڑا ایسی رہا تھا۔“ قاسم نے کہا۔ ”یہاں آیا اور اس راستے سے ادھ
چلا گیا۔“

”بیٹھ جاؤ.....!“ سانوٹے نے روپر پتوں کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔
اس نے الیم نکالا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات
عنہ نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبیث تھا۔ پھر ان دونوں میں راز و نیاز شروع
ہو گئے۔

”اس کا آنکھ دیکھو.....!“ سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
”قاتل ہے۔“ قاسم ہونٹ چاث کر بولا۔
”کامل کیا ہوتا۔“

”مرڈر.....!“ قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجمہ کیا۔
”تم الہو..... یہ کامل کیے ہوتا..... اتنا چھا ہے۔ نہیں کامل نہیں ہوتا۔“

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔
”ہمارا چاربی لوڑا ہے۔“ سانوٹے بولا۔ ”تم بی لوڑ کیا بولتا ہے؟“
”معشوق.....!“ قاسم نے کہا۔

”ماشک.....!“ سانوٹے ہنہنے لگا۔

”ابے سالے تو اچھا خاصا آدی ہے پھر کیوں گھوڑا بناتا ہے۔“ قاسم نے کہا۔
”ہمارا ماشک نے ہم کو گھوڑا بنا دالا۔“ وہ پھر ہنہنیا۔

”اگر تم گھوڑا ہے تو میں تھج پر سواری کروں گا۔“ قاسم نے کہا۔

”آؤ.....!“ وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے غار کے دو تین چکر
لگائے اور پھر یک بیک ہنہنਾ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ قاسم نہیں میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار
سے ٹکرایا اور وہ ایسا اگرا کر پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک چوت لگنے کی وجہ سے
بے ہوش ضرور ہو گیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا
پھر اس نے قاسم کے کپڑے اتارنے شروع کر دیے۔ جسم پر ایک دھی بھی نہیں چھوڑی۔ اس
نے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیے پھر دواتِ اخہانی اور اس میں انگلی ڈبو
ڈبو کر قاسم کے ڈاڑھی اور موچھیں بنانے لگا۔

پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے دوات میز پر رکھ دی اور سرگ میں دوبارہ
داخل ہو گیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرگ
ختم ہو گئی تھی۔ یہاں ایک طرف لو ہے کا ایک بے ڈھنگا سا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس میں کل
پڑنے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پیچے کو حرکت دی۔
دوسرے عی لمحے میں سرگ کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہو گیا اور اب سانوٹے اسی
غار میں تھا جس میں ٹھوڑی دیر قبیل فریدی اور حمید سر مارتے پھر رہے تھے۔ سانوٹے نے
جہاڑیوں کی شاخیں اٹھا اٹھا کر غار کے دہانے میں پھنسانی شروع کر دیں۔

پھاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر تھی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید
کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

”اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔“

”اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔“ فریدی نے پر سکون لجھ میں کہا۔

”جب تک زندہ ہوائیں سامنے نہ آ جائیں کی بات پر یقین نہ کرنا چاہئے۔“

”تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ۔“

”کسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اس غار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر فطری چیز دیکھی تھی۔ اس کا کپاس اشوراب بھی میرے ذہن میں چھپ رہا ہے۔“

”چلنے جتاب..... اب پاکیئے اس شور کو اور مجھے بھی کھلائیے۔“ حمید عاجز آ کر بولا۔ غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اس نے جو خیال قائم کیا تھا اس پر اب بھی جما ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو قصیع اوقات تھی سمجھتا تھا۔

تمہوزی دری بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے تاریخ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرف مڑا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

”کیا یہ جہاڑیاں دراز میں پھنسا کر گئے تھے۔“ فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے اندر ہرے میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشانہ چمک محسوس کر لی۔ جو کشت و خون کے موقعوں پر ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جہاڑیوں کی شاخیں دراز سے ہٹانا شروع کر دیں۔ راستے صاف ہو جانے کے بعد اس نے دراز میں تاریخ ڈال کر اندر کا جائزہ لیا۔ غار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ فریدی کی تاریخ کی روشنی کی نہیں ہی لکیر تیزی سے ادھر ادھر گردش کر رہی تھی۔ آخر وہ ایک ابھرے ہوئے پھر کے سامنے رک گیا۔

”زردا سے دیکھو....!“ فریدی نے کہا۔ ”کیا یہ پھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔“

”قطیع نہیں۔“ حمید بولا۔ ”مجھے تو ایسی خاص بات نظر نہیں آتی۔“

”اوہ..... اس کی جڑ میں دیکھو..... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میرے ذہن میں چھپ رہی تھی۔ میں نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔“

”جید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں خاص طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اسی جگہ کئی دوسرے پھر بھی تھے گران میں یہ بات نہیں تھی اور بادی

لنظر میں وہ پھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک میں نظروں کا قائل ہو جانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پھر پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن اس نے پنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تحک کر پچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑھ روانے لگا۔ ”کیا حماقت تھی۔ بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہو گا۔“ وہ پھر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار میں دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لکیر ان گڑھوں میں ریکھنے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آ گیا کہ جیرالٹ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر قائم تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے نتے قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں پکھنڈوں کے چھوٹے چھوٹے گلکڑے نکالتے دیکھا۔

”چلو..... جلدی کرو..... میرا ہاتھ بٹاؤ۔“ فریدی کی آواز کا پر رعنی تھی۔ حمید نے جھک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سنساہٹ دوڑ گئی۔ پھر وہ کے ڈھیر سے اٹھے کی ایک موٹی سی سلانگ جھاک کر رعنی تھی اور پھر وہ ایک بڑے سے پیچے کے کنارے پر لگا ہوا پہنڈل ثابت ہوئی۔ فریدی نے پہنڈل پکڑ کر پیچے کو گردش دی اور ساتھ مارچ کا رخ اس پھر کی طرف ہو گیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا ٹکن کھلن رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

”اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے..... تمہاری جیب میں تاریخ ہے تا.....!“

”ہے.....!“ حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی تاریخ کو ٹوٹا ہوا بولا۔

”اچھا تو تم..... گھٹائی میں جاؤ..... فوجی دستے کے انچارج کیپٹن شہاب سے کہنا کہ تم اسے آدمی ہو اور میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں ساتھ لاؤ۔ لیکن گھٹائی میں اترتے ہی تاریخ کا رخ بولوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلانہ بھولنا۔ ورنہ پہرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو لکھی کر دیں گی۔ سمجھے اور ہاں دوسری بات بھی..... کیپٹن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی سمجھ فرست

بیان اندر اتحاد نے دیوار سے لگے ہوئے سونچ کو دبا کر سرگ کے بلب روشن کر دیئے اور نیزی سے دوڑتا ہوا آخری سرے تک آیا۔ اس کی آنکھیں جیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ سامنے والی دیوار کو گھور رہا تھا جس کی سطح پر ایک طرف تھوڑی تار ہمار ہو گئی تھی۔ پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر میں کا پہنچ گھایا۔



فریدی بے اختیار چوک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہو گیا تھا اور وہ پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر بالکل ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہو گیا تھا۔
دوسرے لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

”خبردار.....!“ فریدی نے ریوالرنکال لیا۔ لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا پروٹوٹ پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائز کے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا لو ہے جیسا جسم فریدی کو دبارہ تھا فریدی ریوالر پھینک کر اس سے پٹ پڑا۔ اس نے اسے اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روائی کھوڑے سے الجھا ہوا تھا جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔

فریدی لپٹ تو پڑا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیندگی کر سکے گا۔ اس میں بلا کی طاقت تھی اور فریدی کو کبھی معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ کسی کھوڑے ہی سے کشتی لڑ رہا ہو۔ فریدی کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالر کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوبت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کارامد ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے تھے۔ ایک بار فریدی کا پیور ریوالر پر پڑ کر پھنس لگا۔ وہ توازن برقرار رکھ سکا اور گھنٹوں کے مل زمین پر چلا آیا لیکن ریوالر اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دھنٹا فریدی نے سرگ میں کئی سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے بستر کے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا کر آدمیوں کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چھینتے لگا۔ برا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ ہاتھ آزاد کرنے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالر تھا۔ مقدر یا در تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں ریوالر کی نال سانوٹے کے چہرے سے جاگی اور فریدی نے یہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرگ کے دہانے میں چھلانگ لگادی

کو اس کی اطلاع بھجوادے کے فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لگا۔“
”کیسا کام.....؟“

”فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری..... خاص طور سے وہ پاکل..... وہ بہت اہم ہے۔ اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔“

”کیا بات ہے؟“
”پھر..... ابھی نہیں۔“ فریدی اسے دھکیلتا ہوا بولا۔ ”جاو..... جلدی کرو۔“



سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آچکا تھا اور وہ اس کے بستر کی چادر پیٹھیا رہے ہوئے منہ بیمار ہا تھا۔
”ارے ستیاہاں۔“ قاسم اسے دیکھ کر لکارا۔ ”یہ کیا کیا تو نے سور کے پیچے۔“
”بھاگ جاؤ سالا..... ہمارا چادر چھوڑو۔“ وہ چادر کھینچنے لگا۔

”ابے..... ابے..... دھت تیری..... سس..... سالے..... ہماری..... جرامی۔“
دونوں میں چادر کے لئے جدوجہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قیقہ نکالتا اور کبھی چھپتا نہیں رکھتا۔ آخراں نے چادر چھیننے ہی لی اور قاسم بدھوای میں اس غار سے نکل کر بھاگ۔ قریب ہی ایک دوسرہ دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دونوں ایک جھینیں بلند ہوئیں۔ اندر سے ”لڑکیاں چھینتے ہوئی باہر نکلیں اور بدھوای میں بھاگتی چلی گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سنا لیکن باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارانہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی میں سے سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے بستر کے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا کر ایک سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھا لتے ہوئے چادر تان لی بوتل زمین پر گر کر چور ہو گئی۔ اچاک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھٹتی زور زور سے بجی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرگ کے دہانے میں چھلانگ لگادی

حمدی نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ”اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔“
”انہیں کا کام تھا۔ اچھا تھیر ہے۔“ کیپشن شہاب نے کہا اور تھیسے سے باہر نکل گیا۔
حمدی بڑی طرح بے تاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تھا اسی غار میں نہ داخل ہو گیا
ہو۔ ہر لمحہ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تیاری میں پندرہ میں منٹ لگ گئے اور حمید خون
کے گھونٹ پیتا رہا۔ پھر تین آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چنانوں کی طرف بڑھنے لگا۔
”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ شہاب نے کہا۔ ”میں مسٹر فریدی کا پیغام مجرم نصرت
کے پاس ٹرانسیور کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے اپنے ہی بدایت کردی تھی
کہ میں مجرم نصرت کے پاس کوئی خاص آدمی پہنچوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔“
”پتہ نہیں۔“ حمید نیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔ ”وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد میں میں
باتتے ہیں۔“

وہ تھوڑی ہی دری بعد چنان کے قریب پہنچ گئے۔
سب سے پہلے حمید غار میں اترًا..... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ تھی رہا تھا۔
”وہ کیپشن جلدی آؤ۔..... یہاں اس گھوٹے کی لاش پڑی ہے۔“

کیپشن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بیچھے فوجی بھی ایک ایک کر کے اترے۔ سانوٹے
کی لاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چھٹھے اڑ گئے تھے۔
”لیکن.....!“ حمید تقریباً تیج پڑا۔ ”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“

غار میں کئی ٹار جیں روشن تھیں۔ حمید اس پھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر تھا۔
”غصب ہو گیا۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”شاید فریدی صاحب پکڑ لے گئے۔“

”کیوں..... یہ کیسے۔“ شہاب اسے گھور کر بولا۔
”اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔“

”ہو سکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہو۔ آخراً ہر بھی تو کچھ ہو گا۔“
حمدی اس گڑھے کی طرف جھپٹا جس میں پہیہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سوچے بغیر پے درپے کئی فائر کر دیئے کہ اگر اس کا ہاتھ ذرا سا بھی مل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے
پر چنے اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیانک چینیں سنیں اور پھر اس کا جسم
اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لاٹھک گیا۔ پانچ چھا انگریز سرگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔
”خبردار.....!“ فریدی ریواور کارخانے کی طرف کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا
سر چکرا رہا تھا۔ ابھی تک وہ تھی ایک پہاڑ سے لٹاتا رہا تھا۔ اس نے انہائی کوشش کی کہ اپنے
ذہن پر قابو رکھ سکے مگر ناکام رہا اور ریواور سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔



حمدی فریدی سے رخصت ہو کر گھٹائی میں اترًا اور اس نے باریچ کارخانے کی طرف
کر کے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب بچل پڑا۔ ابھی وہ آدمیہی راستے میں تھا
کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز کی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پانچ عدد اٹھی ہوئی رانفلوں
سے پڑا۔

”تم کون ہو.....؟“ ایک فوجی نے کہا۔
”دوسٹ مجھے کیپشن شہاب کے پاس لے چلو۔“
”تم نے کتنی بار باریچ جلائی تھی؟“

”تین بار.....!“ حمید نے گھری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پاس
پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تھا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے بخوبی
واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔

”فوجی اسے کیپشن شہاب کے پاس لے گئے۔ حمید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔
”آپ کون ہیں.....؟“ کیپشن شہاب نے پوچھا۔
”سار جنت حمید..... میرے خیال سے جلدی سمجھے۔“
”لیکن مسٹر فریدی ہیں کہاں۔“

سے جیجھ تکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گری پڑتا۔
”کیا ہوا.....؟“ کیپشن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
”پہبیدھی غائب ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”پہبیدھی غائب تھا..... جس ہجگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔“
”وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“ حمید ہڈیاں انداز میں چینا۔ ”کچھ بیجھے..... کچھ بیجھے۔“
”میں کیا کروں..... کیا کر سکتا ہوں۔“

”اوہ..... میں کیا بتاؤں۔“ حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پچوں کی
طرح جیجھ کروئے۔ کیپشن شہاب پہنچ کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”اس کے اندر کچھ ہے تو.....؟“ اس نے سراہا کر کہا۔ ”لیکن کیا کیا جاسکتا ہے..... اور
اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں..... مگر یہ بھی محال..... مگر ٹھہریے میں کمپ سے
کدالیں منگواتا ہوں۔“

بساط الٰہی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید
زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس قسم کی زک اخہانی پڑی تھی۔ اگر وہ لاکھڑا کران کے قابو
میں نہ آیا ہوتا تو اسے اتنا خسوں نہ ہوتا۔ ریوال اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر قلع طور
پر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اسے ایک بے میں چوہے کی طرح
دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ ورنی غار میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر قاسم
والے ہنگامے نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ خوفزدہ لاکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ
سب قاسم کو گھیر کر ڈنڈوں سے پینٹے لگے۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح جیجھ کر انہیں
سانوٹے کی حرکت بے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف بھیچئے۔ یہاں
انہوں نے سانوٹے کے بستر کے سرہانے لگے ہوئے الارم پر خطرے کا سرخ بلب جلتا ہوا دیکھا
اور سرگ سمجھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی یہ ورنی غارتک ہوئی تھی۔ فریدی

پہنچ کے بعد انہوں نے یہ ورنی غار والا پہبیدھی نکال لیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی
طاقت سرگنگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ بنے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر یہ ورنی غار میں بھی
نہ ہرے رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہٹ نہ ملی اور وہ مطمئن ہو گئے کہ ان کا شکار
نہ ہائی تھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے لگیرے ہوئے تھے۔ فریدی
نہ تھا ہو چکا تھا..... لیکن اس غیر متوقع ٹکست پر اس طرح بچرا ہوا تھا کہ موقع کی زیادت کا
احساس بھی جاتا رہا۔

”اوے.....!“ دفتا ایک انگریز چینا۔ ”یہ تو فریدی ہے۔“

”فریدی.....!“ وہ سب بیک وقت بولے۔

”ہاں..... ٹھہر وہ..... میں اسے پہلے بھی فریبی چکا ہوں۔“

”وہ عورت کہاں ہے؟“ دفتا فریدی چینا۔

”کون عورت.....؟“ پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ جسے میں غار میں ٹھوڑی دیر قبیل چھوڑ گیا تھا۔“

”کیا بکتے ہوں۔“ پستہ قد انگریز غرایا۔ ”اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھا سکتے۔“

”کیسا فریدی۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”تم لوگ کون ہو..... اور یہ سب کیا ہے۔“

پہلے تو یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔“

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی بائی میں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفتا غصہ کی

آواز سے بولا۔ ”وہ عورت کہاں ہے..... اسے واپس کر دو..... ورنہ میں بہت برا آدمی ہوں۔“

”یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بُرے آدمی ہوں..... ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت
کے ساتھ ریوال اور نہیں لاتے۔“ ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ”اگر یہ
فریدی ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تجھے ثابت ہوگا۔ کیوں.....؟“

”یہ فریدی ہی ہے۔“ پستہ قد انگریز نے کہا۔ ”اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بند
یں ورنہ میں تمہیں یقین دلا دیتا۔“

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ بس جیر اللہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بی کے عالم میں بھی اُسے افسوس ہو رہا تھا۔ افسوس کی بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیر اللہ نے نکل گا۔

”ارے وہ موٹا تو ہے۔“ دفعتاً ایک بولا۔ ”وہ تو اُسے پیچا نہیں ہو گا۔“

”میک ہے۔“ پستہ قد اگریز نے کہا۔ ”میں اُسے لاتا ہوں۔“

وہ چلا گیا۔ بقیہ چہ اگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید اس وقت یہاں جیر اللہ کے آدمیوں میں سے صرف اتنے ہی ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہوتے تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسِ جیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا حلیہ ہی اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجائی۔ روشنائی سے بیالی ہوئی ڈاؤنی اور موچھیں ابھی تک برقرار رہیں۔ شاید قاسِ کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پچولہ اڑ پیٹ کوٹ اپی کر کے گرد منڈھر کھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل بٹا تھا۔ فریدی نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو اُسے ہنسی آگئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسِ اُسے شاختہ نہ کر لے۔

قاسِ دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھلے، لیکن پھر بند ہو گئے۔ وہ بالکل ساکت و صامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا یقوق بھی نہیں تھا کہ سچویشن کو نہ سمجھتا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ تھوڑی دیر قبل اس پر ڈمدوں کی بارش ہو چکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

”اُسے پیچانتے ہو۔“ پستہ قد اگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں نہیں جانتا۔“ قاسِ غرا کر بولا۔ ”تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ پستہ قد اگریز نے کہا۔

”تم جھوٹے۔۔۔ تمہارا باپ جھٹا۔۔۔ سالو کیوں میرے پیچے پڑ گئے ہو۔ میں شاستری صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مردُ کر رکھ دیتا۔“ قاسِ

جھلا کر واپس جانے کے لئے مرا۔

”سن تو۔۔۔!“ پستہ قد اگریز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

”میں سنتا۔۔۔!“ قاسِ مژے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف پل پڑا۔ لیکن اس کی برف زدہ کھوپڑی حرکت میں آگئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے کیونکہ وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگوں پکا تھا اور اگر فریدی ہرگیا تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے اس قید سے رہائی نہ دا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پچھلی دفعتاً اُسے ان سامنہ ستر قیدیوں کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں تو آٹھ دس اگریزوں کی چشمی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لا کیا۔ وہ انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا دل لڑکیوں کے لئے بڑی طرح کڑھنے لگا۔۔۔ جیسے ہی وہ اس کرے میں داخل ہوا جہاں مزدور جانوروں کی طرح رہتے تھے ہر طرف قیچے بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور جو سوچے بھی تھے وہ قاسِ اور سانوٹے کے ہنگے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

”ابے سنو۔۔۔ نہ نہیں۔۔۔“ قاسِ دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔
پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

”اچھا۔۔۔ تو میں بلاتا ہوں سانوٹے کو۔“ قاسِ نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح خاموشی پچاگئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

”دیکھو۔۔۔!“ قاسِ نے انہیں مخاطب کیا۔ ”آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو کپڑلیا ہے کہ کیا بتاؤ۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا بتاؤ؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ کھل سکیں گے۔ وہ ہماری رہائی کے لئے یہاں آیا تھا لیکن کپڑلیا گیا۔ وہ اُسے مار ڈالیں گے۔“

”تو پھر ہم کیا کریں۔“ ایک آدمی نے کہا۔

”ارے تم سب کچھ کر سکتے ہو میرے پیارے۔“ قاسِ نے کہا اور اُسے یک بیک قوی

جگہ سے بٹنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اچاک اس کا ہاتھ ایک انگریز کی جیب سے نکلا یا جس میں اسے روپا اور کی موجودگی کا شہرہ ہوا۔

”دیکھو..... اٹھو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔“ دروازے کے قریب کھڑے ہوئے انگریز نے کہا جس کے ہاتھ میں روپا اور تھا۔ اچاک فریدی نے ان انگریزوں سے ایک کو دھکا دیا جو اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وہی انگریز تھا جس کی جیب میں فریدی کو روپا اور محضوں ہو رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا اور باہر نکلتے ہوئے روپا اور کی نال سے ایک شعلہ نکلا۔ دروازے کے قریب کھڑا ہوا انگریز جیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ بقیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

”خبردار.....!“ فریدی انہیں روپا اور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مردوں پانچ گھوڑیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور سنائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچے دوسرے آدمی بھی تھے۔ لیکن یہاں کی پچھیشن دیکھ کروہ سب سنائے میں آگئے۔ لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ ہی جھیں نکلیں۔

”قاسم..... تم واقعی عظمند ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”بس اب انہیں باندھ لو..... کوئی مرنے نہ پائے۔“

”واہ.....! ان سالوں کی تو چھٹی بنے گی۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

”نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو..... کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہو گا۔“ ”اچھی بات ہے.....“ قاسم لڑکیوں کو گھوتا ہوا بولا۔ ”آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ہوں۔“

”وہ سب اس طرح پکڑ لئے گئے جیسے مرغیاں پکڑی جاتی ہیں۔“

”لیکن..... وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔“ قاسم نے فریدی سے کہا۔

”اے میں نے پہلے ہی بارڈالا۔“ فریدی بولا

لیڈروں کی تقریبیں یاد آنے لگیں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ”تم سپوت کے وطن ہو! ہم لوائی کے لئے آزادی کریں گے اور لویں گے آزادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم پت پڑو تو سب کی چٹنی بن جائے گی اور جس سے ڈرتے ہو وہ سالا گھوڑا بھی اس وقت موجود نہیں۔“ ”مگر ہم..... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم راستے نہیں جانتے۔ دوسرے آ کر ہماری چٹنی نہ بنا دیں گے۔“

”ارے میرے پیارے بھائیو۔“ قاسم بولا۔ ”وہ آدمی جسے پکڑا گیا ہے ایک بڑا آفسر ہے اور وہ راستہ جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔“

”نہیں وہ گھوڑا.....!“

”ابے چلو.....! اس سے میں پشت لوں گا وہ مجھے نہیں پچھاڑ سکتا۔“ ”کیوں غول چاٹا۔“ دفعتاً ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چھجا اور وہ سب کم گئے۔ قاسم آہستہ سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردان پکڑی اور اسے اتنی جہالت بھی نہ ملی کہ وہ منہ سے آواز بھی نکال سکتا۔ پھر اس نے اس سے اوپر اٹھا کر زمین پر پیٹ دیا۔ اس کے منہ سے صرف ایک ہی جیخ نکلی سکی۔

”آؤ..... بڑھو.....!“ قاسم نے انہیں پھر لکارا۔ لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔

”اچھا.....!“ قاسم بچھر کر انہیں گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ”میں جاتا ہوں اور ان سے کہہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو بارڈالا۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔“

”نہیں..... نہیں۔“ بہت سی آوازیں آئیں اور پھر ان میں کھر پھر ہونے لگی۔ ”ہم تیار ہیں۔“ آخروں تین آدمیوں نے کہا۔

”تو آؤ..... اور کچھ دیکھنے نے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔“ ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے کسی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن فریدی اپنی

فریدی نے مختصر آپوری رو داد دہرائی پھر بولا۔ ”میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں
گا..... میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سائنسی کارنامہ نہیں تھا۔“

”ٹھیک خیال ہے آپ کا.....!“ کیپین نے کہا۔ ”اس میں تو بھس بھرا ہوا تھا۔ اس کے جسم کی کھال پانیک کی ہے اور اس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے بلٹ پروف پین رکھتے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔“

”میں نے بلٹ پروف محسوس کرنے تھے۔“ فریدی بولا۔ ”ایسی لئے میں نے اس کے چہرے پر فائز کئے تھے مگر تھا کسی گھوڑے ہی کی طرح طاقتور..... خدا کی پناہ۔“

پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے غاروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید فریدی، قاسم اور کیپین ان غاروں میں تھارہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں بھلی پیدا کرنے والا جزیئرہ چل رہا تھا۔ اس نے اس کو بند کر دیا۔ وہ سب باہر آئے۔ دہانے پر تمیں فوجیوں کو تینات کر دیئے کے بعد وہ گھائی میں اتر کر اس خوفناک چٹان کی طرف بڑھنے لگے جواب تک دو آدمیوں کی جانیں لے چکی تھی۔ چٹان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے باوجود وہ اوپر پڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ بندروں کی طرح جھوٹا ہوا چٹان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خوفناک جیج نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آگیا۔ اس نے کہا۔ ”وہی بات..... جو میں نے پہلے کہی تھی۔ چٹان پر باریک باریک تاروں کا جال بچار کھاتا تھا جس میں ہر وقت کرنٹ رہتا تھا اور یہ جگہ انہوں نے ایسے موقعوں کے لئے بنائی تھی جب پولیس اس گھوڑے کا تعاقب کرے۔“

آخری معركہ

”وسرے دن کے اخبارات کے غمیب بہت جلد بازار میں آگئے پھر اسی جیزال اللہ کی داستان تھی جس کے ذکر سے چھ ماہ پیشتر دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا..... غاروں کی داستان تھی جن

”ناتم نے۔“ قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”فریدی صاحب نے سانوٹے کے پیچے کو پہلے ہی مارڈا لا۔“ مزدور خوش ہو کر چیختے گلے۔

”فریدی صاحب۔“ قاسم بڑے زور سے چینا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے لگا۔ ”ابے زندہ باد کہو۔“

مزدوروں نے زندہ باد کی ہاتک لگائی۔ ”کیا بیہودگی ہے۔“ فریدی کو ہنسی آگئی۔

قاسم نے فریدی کو سرگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو وہیں چھوڑ کر سرگ میں داخل ہوا۔ سرگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے بیرونی غاروں والے میکنزم کو ضرور تباہ کر دیا ہو گا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بیرونی غار میں سرمدار ہے ہوں۔

وہ سرگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ مشین کوئی ڈھکی چیز نہیں تھی جس سے سرگ کا دہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرگ کے دہانے پر پے درپے دھک محسوس کر رہا تھا۔ کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مشین کے پیچے کو تھوڑا سا گھمایا۔ ایک پتلی سی درازی دیوار میں پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف کا سور شانائی دینے لگا اور کئی کدالوں کے پھل درازی میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا درہ اور کیا اور پھر چیخ کر بولا۔ ”کیپین کہیں گولی نہ مار دیں۔ میں ہوں فریدی۔“

”فریدی صاحب.....!“ آسے حمید کی جیج سنائی دی۔ ”ہاں میں ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پورا دھانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید گرتا پڑتا اس تک پہنچا۔ پھر کیپین۔

”افسوں.....!“ فریدی بولا۔ ”جیزال اللہ یہاں موجود نہیں تھا۔“ جہنم میں گیا جیزال اللہ.....!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آپ اکیلے ہی کیوں بھس پڑے تھے۔“

بھج میں نہیں آتا..... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان عاروں سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کارروائیوں کی دلکشی دیتا ہے اور یہ ہے بھی کچی بات۔ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔ ایسے فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔“

”لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”کیا اسے عدالت میں ثابت کر سکو گے۔“ میجر نصرت بولا۔

”نہیں..... فی الحال تو نہیں..... لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر گرفتاری میں رکھا جائے۔“ آپریشن روم کے بوڑھے انچارج نے کہا۔

”میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا.....“ حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھوڑتے

ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا اینگلو اٹرین ٹھا اور اپنے کام کا ہر سمجھا جاتا تھا۔

”کسی شریف آدمی کو محض شبے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔“ انچارج نے جملائے ہوئے لمحہ میں کہا۔

”جی ہاں..... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔“ حمید طفیری لمحہ میں بولا۔

”براہ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔“ آپریشن روم کا انچارج بھی مگر گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میجر نصرت نے نیچ چاؤ کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم میں خاموشی چاگئی۔ انچارج ٹرانسیسٹر وں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ میجر نصرت اور حمید نے

پاپ سلاگ لئے تھے۔ کہرے کا گہرا سنا بڑا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دھنما حمید چونکہ کر سیدھا ہو گیا تھا اور میجر نصرت اس اچاک تبدیلی پر اسے گھورنے لگا۔

”میں کہتا ہوں..... فریدی صاحب غلطی کر رہے ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”میں جانتا ہوں کہ جیراللہ کہاں ہے اور کون ہے۔“

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روز گار را کٹ دستیاب ہوئے تھے جن کے متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں۔ فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قائم کا بھی تذکرہ تھا جس نے اپنی حکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیراللہ..... وہ اس بار بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا تذکرہ تھا جسے جیراللہ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلاحت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ ان کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیری بار بھی اپنے خوفناک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اس خوفناک چیzan کو ”موت کی چیzan“ کا نام دیا تھا۔ حضرت سلیمان کے گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس سے فریدی کی جیراللہ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صدائی کا قتل..... صدائی کا قتل جیراللہ کے آدمیوں نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سو سونے کی اینٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حرث سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ کب کیا ہو گیا۔ قاسم نے پھر شیزاد میں ذیرہ جمایا تھا اور وہ بات پر انور کو چھپر رہا تھا۔ رشیدہ کو اپنی دلیری کی جھوٹی بچی داستانیں سن کر کہتا ”وہ تو فریدی صاحب نے روک دیا تھا..... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔“

حمدید میجر نصرت کے ساتھ تھا۔ لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس کے اقامتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

”تو اب یہ حضرت جیراللہ کے چکر میں ہیں۔“ حمید نے میجر نصرت سے کہا۔ ”مگر فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پاسکے گا۔“

”مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

شیزان ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ میجر نصرت اور حمید چند دیرے آفیروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حمید اور پری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا میجر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

”دہمیں ایک مجرم کی طلاش ہے۔“ میجر نصرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب موگن کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔

دروازہ کھلا۔۔۔ موگن سامنے کھڑا پکیں جھپکا رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”اپنے ہاتھ اور پر اٹھاؤ۔۔۔“ حمید گرج کر بولا۔

”کیا یہ ضروری ہے۔“ موگن کے ہونتوں پر ایک تنخی سکراہت تھی۔

”تمہارے پاس ناجائز اسلحہ ہے۔“ حمید بولا۔

”اچھا تو پھر۔۔۔!“ موگن کی مسکراہت بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوں ہوا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اور اٹھا لئے تھے۔ حمید اُسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں گھسا اور اس نے وہی سوت کیس کھول ڈالا جس میں اس سے قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

”یہ کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

”ایک سب مشین گن کی نقل۔“ موگن لاپرواہی سے بولان۔ ”میں مداری ہوں اور یہ ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پا تو طوطا تماشا یوں کے مجھے پر چلاتا ہے اور یہ ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں بھلی معلوم نہیں ہوتی۔“

وہ واقعی بہت بھلی تھی۔ حمید کے ہمراوں تکے سے زمین نکل گئی۔

”ٹوٹے کا پچھرہ اور ہر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو طلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔“ موگن کے لجھے

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپ میجر حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

”تواب تک کیا کرتے رہے۔“ میجر نصرت کے لجھے میں طغڑا۔ حمید اس کی پرواہ کئے بغیر ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لجھے میں وہ شیزان ہوٹل کے نمبر ڈاٹیل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

”ہیلو انور۔۔۔ میں حمید بول رہا ہوں۔۔۔ کیا موگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب۔۔۔ اپنا تو اسے نگرانی میں رکھو۔۔۔ ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔“

وہ ریسیور کھکھ لے کر میجر نصرت کی طرف مڑا۔۔۔ اور اس نے موگن کے متعلق سب کچھ بتا دی۔ میجر نصرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

”بھی میں کس طرح یقین کروں کہ وہ جیر الدینی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔“

”آپ فکر نہ کیجئے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”اگر وہ جیر الدینہ ہو اتاب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجہہ ہوں گے۔ وہ ناجائز اسلحہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔“ آپ شن روم کا انچارج بولا۔ ”گرفتاری کے لئے معقول وجہہ ممکن ہے وہ جیر الدینی ہو۔“

تحوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد میجر نصرت تیار ہو گیا۔

”کیا ریڈ یو کار ساتھ ہو گی۔“ آپ شن روم کے انچارج نے پوچھا۔

”کیا ضرورت ہے۔“ میجر نصرت نے لاپرواہی سے کہا۔

”ضرورت ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ سوچ کر چلے کہ آپ جیر الدینی کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈ یو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہمیں رابطہ قائم نہ کر سکیں گے۔“

آخر آپ شن روم کے انچارج نے ریڈ یو کار سنجھائی اور وہ شیزان ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلکہ سپا ہیوں کی کشیر تعداد تھی۔

میں ت smirk تھا۔ اس نے کہا۔ ”میں ایک پیشہ ور مداری ہوں اور آپ کے شہر کی اوپری سوسائٹیوں میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھارتا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔“

بلدی جلدی کمرے کی ٹلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبد بازی کے نامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقو سے چھیننے لگا تھا۔ وہ بیج پیچھے لکڑی کی نی ٹابت ہوئی۔ آفیروں نے اپنے روپ اور جین میں ڈال لئے۔ مجھ نہرت حمید کو رہا۔ بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

”آپ کو بہت نہیں آرہی ہے۔“ مورگن نے اس سے کہا۔ ”یقیناً آپ میرے دوسرے کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محفوظ ہوں گے۔“

اچانک مورگن نے اپنی پتوں کی جیبوں سے دوری اور نکال لئے۔ ایک کارخ پولیس آفیروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

”آپ سب براہ کرم اپنے ہاتھ اور پر اٹھا لیجئے۔ یہ روپ اور نقلي نہیں ہیں۔“ مورگن نے کہا۔

”اب آپ جھک ماریے۔“ حمید بے سانتہ پڑا۔ ”میں تو الوچا۔“

”تم اب بھی الاؤ ہو۔“ پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ”کیا تم اپنا سیاہ چشمہ نہیں اتارو گے۔“

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔ دفتار مورگن کے روپ اور سے ایک شعلہ تکلا۔ گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران میں لگی اور وہ لاکھڑا کر گر پڑا۔ قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آواز سنائی دی۔ ”کوئی حماقت نہ ہو..... یہ جیراللہ ہے۔“

آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

پڑا۔ لوگ حیرت زده کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا ایک خل سا اتار دیا۔ اب ان کے نامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیراللہ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ”تم طاقت کے پیخاری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے کہم و دماغ سے ٹکرا سکو۔ جب تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم ہیں سمجھو کر تم ایک پیچوے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ پچھلی بار تم نے مجھے ایک چوہے کی طرح ہند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیزوں کی طرح مسل رہا ہوں۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے متعلق خبریں نشر کر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی تھیں اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیراللہ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تاکہ تم مرنے سے پہلے کم از کم ایک ہی بار خود کو تھیغ محسوس کر سکو۔ مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔“

”لیکن یہ سال ہا سال سے.....“ مجھ نہرت ہکلایا۔

”میں جانتا ہوں.....!“ فریدی سر پلا کر بولا۔ ”سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا میں پیچھے چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں اسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشمہ لگائے بغیر کام نہیں کر سکتا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ ایک آفیسر بولا۔

جیراللہ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیں تو بدلتا ہے لیکن اپنی خصوص قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیراللہ؟

جیراللہ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی ہڈی ثوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی بیمار پر تناکھڑا تھا..... اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی جھینیں بلند ہوئیں پھر جنہیں ہوش رہ گیا انہوں نے جیراللہ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری طرف فرش پر پڑا تھا پھر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیروں کے جسموں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا تھا جلس گیا تھا۔



”باں..... وہ توکل ہی..... لیکن.....!“
 ”ظہریے۔ فریدی تکے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹوٹا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر
 بھال کر اس کے سامنے ڈال دی۔
 ”یہ تو اسی کی تصویر ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔
 ”اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟“
 ”نہیں.....!“
 ”یہ سجاد صدماںی ہے۔“
 ”کیا.....؟“ وہ سب بیک وقت بولے۔

”جی ہاں..... وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے
 اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا..... اور وہ اپنی بچپنی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صدماںی ہی
 کے کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو
 نام تک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیر الداں کے کاروبار پر تباہ تھا۔ سجاد کے ملازمین اسے سجاد کی
 جھک سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہر حال اس کے دستخط اصلی تھے اور
 انہیں دستخطوں کی بناء پر سجاد صدماںی کی دولت جیر الداں کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صدماںی کے قتل سے
 اس نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صدماںی کا کاروبار بھی سجاد
 کی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کی کئی باری یہ بات دوسروں کے سامنے
 بھی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی اینٹیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صدماںی کو اتنے پر اسرار
 طریقے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔
 اگر صدماںی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براڈن کے نام خط روانہ کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی۔
 تو ہم اب تک ناریکی ہی میں سرمارتے نظر آتے۔ پھر میں نے میجر نصرت کو اس نارے کے متعلق
 فون کیا۔ ظاہر ہے جیر الداں پریش روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کاں کی اطلاع ملی اور اس
 نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صدماںی کی سیکریٹری کو قتل کر دیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

دوسرے بُن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی
 کا پورا جسم پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار
 نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ”انہائی چالاکیوں کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا
 کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بُم چھپائے ہوئے ہے۔ کھجلانے کے بہانے اس نے اس کا
 سیفی کیچھ ہٹا دیا تھا۔

”لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں ناق مول لایا تھا۔“ اس کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا جو آج
 ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

”آپ میری افاد طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی
 ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا..... بُم ناٹھ لئے پھر نے کا
 مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں
 اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو نتیجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جسم
 کھجانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔“

”لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔
 ”اوہ..... آپ کی فکر نہ کیجیے..... جب تک میری قوت ارادی برقرار رہے، میں مر
 نہیں سکتا۔“

”اچھا اب تم آرام کرو.....“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔
 ”ظہریے۔“ فریدی اپنا پیسوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس سلسلے کی سب سے
 اہم اور دلچسپ کڑی تو رہ ہی گئی۔“

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔
 فریدی نے میجر نصرت کو خاطب کر کے کہا۔ ”کیا آپ نے اس دیوانے کی ڈاڑھی اور
 موجھیں صاف کر دیں۔“

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھتی تھی۔“
میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

”وہ شروع ہی سے فریدی تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیں میں یہاں کی اوپنی سوسائٹیوں میں بھی اختتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیراللہ تک پہنچتا تھا۔ بہر حال ایک دن حمید کو مجھ پر شبهہ ہو گیا اور وہ گدھا میری عنگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو قفرت عی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں رفہ بروز پر اسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہوئی گئی۔“
فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکڑوں بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیراللہ کے انجام کی جگہ ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔
بہر حال ایک ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کے خوش نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سامنی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرٹل اور کیپین کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملایا بھی فوجی عنی نویت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس ٹکڑوی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اسے جیراللہ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صدائی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی موقع نہیں کہ وہ کبھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد